فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰه

شہیدِ مظلوم

حضرت عثمان ذوالنورینؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

شہیدِ مظلوم

حضرت عثمان ذُوالنُّورَین رضی اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں چونکہ قرآن حکیم کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں لہٰذا میری کوشش یہ ہوگی کہ قرآن مجید اور احادیث شریفہ کی روشنی میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے چند مناقب و فضائل اور ان کی سیرت کے چند پہلو آپ کے سامنے رکھوں۔

امیرالمومنین سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل کے ضمن میں سب سے زیادہ مشہور و معروف بات ان کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دامادی کی قرابت ہے جو تقریباً ہر مسلمان کو معلوم ہے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک نسلی تعلق اور قرابت داری اصل اساسِ فضیلت نہیں ہے۔ قرآن مجید نے تو اس تصور کی کامل نفی کی ہے' چنانچہ سورۃ الحجرات میں فرمایا گیا ہے :

﴿ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ' اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ' اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○ ﴾ (الحجرات : ۱۳)

"لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے (جدا جدا) خاندان اور قومیں جو بنائی ہیں تو باہم شناخت کے لئے (نہ کہ تکبر و افتخار کے لئے) بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت دار تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ جاننے والا اور باخبر ہے"۔

رنگ و نسل اور خون کے رشتوں کے تعلق کو' جنہیں عام طور پر دنیا میں شرف و فضیلت کی اساس سمجھا گیا ہے' قرآن مجید نے غلط قرار دیتے ہوئے رنگ و نسل کے تمام

بتوں کو توڑ ڈالا ہے اور اصل بنائے شرف و عزت اور کرامت و فضیلت صرف تقویٰ کو قرار دیا ہے۔ اسی کی تفسیر و تشریح نبی اکرم ﷺ نے اس طرح فرمائی کہ حضورؐ نے اپنے اہل خاندان کو جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا اور رشتہ داری کے لحاظ سے جو لوگ قریب ترین تعلق کے حامل ہو سکتے ہیں ان کو نام بنام مخاطب فرمایا کہ :

((.... یَا عَبَّاسُ بْنَ عَبْدِالْمُطَّلِبِ لاَ اُغْنِی عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا ' وَیَا صَفِیَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) لاَ اُغْنِی عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا ' وَیَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ ' سَلِیْنِی مَا شِئْتِ مِنْ مَالِی ' لاَ اُغْنِی عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا)) (متفق علیہ)

"....(اے رسول اللہ کے چچا) عباس بن عبد المطلب ' میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا' اور اے صفیہ ' رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی! میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا' اور اے محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ! تم میرے مال میں سے جو چاہو مجھ سے مانگ سکتی ہو' لیکن اللہ کے ہاں میں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا"۔

یہ مضمون متعدد احادیث میں بیان ہوا ہے۔ ترمذی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

((یَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ (ﷺ) اَنْقِذِی نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ ' فَاِنِّی لاَ اَمْلِكُ لَكِ مِنَ اللّٰهِ ضَرًّا وَلاَ نَفْعًا))

"اے محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ! اپنے آپ کو آگ سے بچانے کی فکر کرو۔ اس لئے کہ میں اللہ کے مقابلے میں تمہارے لئے کسی نقصان یا نفع کا اختیار نہیں رکھتا"۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں نسل' نسب اور رنگ و خون کو بنائے شرف و فضیلت سمجھنے کے باطل نظریہ پر یہ ارشاد فرما کر کاری ضرب لگائی کہ :

﴿ یَا اَیُّهَا النَّاسُ ' اَلاَ اِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ ' وَاِنَّ اَبَاكُمْ وَاحِدٌ ' اَلاَ لاَ فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی اَعْجَمِیٍّ ' وَلاَ لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ ' وَلاَ لِاَحْمَرَ

عَلٰی اَسْوَدَ ' وَلاَ اَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ ' اِلاَّ بِالتَّقْوٰی))

(مسند احمد 'عن ابی نضرۃ)

"اے لوگو! جان لو کہ تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہی ہے! جان لو کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر ' کسی عجمی کو کسی عربی پر ' کسی گورے کو کسی کالے پر ' اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ بنائے فضیلت صرف تقویٰ ہے"۔

سورۃ الحجرات کی مذکورہ آیت میں تقویٰ کو فضیلت و اکرام کی بنیاد قرار دینے کے علاوہ قرآن حکیم نے اس بات کو مختلف اسالیب سے بیان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کوئی حسب و نسب کسی کے کام نہیں آ سکے گا' بلکہ ہر انسان کو صرف اس کے اپنے اعمال ہی اللہ کی پکڑ سے بچا سکیں گے۔ جیسا کہ سورۃ النجم میں فرمایا گیا : ﴿ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلاَّ مَا سَعٰی ○ وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ○ ﴾ اور متعدد مقامات پر فرمایا گیا : ﴿ لاَ تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ○ ﴾

یہود و نصاریٰ کو یہی پندار لاحق ہو گیا تھا کہ چونکہ وہ انبیاء کی اولاد ہیں اور ان کی نسل میں جلیل القدر پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں' لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کے چہیتے ہیں اور اس کے بیٹوں کی مانند ہیں : ﴿ وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ﴾ (المائدہ : ۱۸) چنانچہ ان کے اس پندار کو قرآن مجید نے باطل قرار دیا اور فرمایا گیا :

﴿ وَاتَّقُوا یَوْمًا لاَّ تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلاَ یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ . . . ﴾ (البقرہ : ۴۸) نیز ان کو متنبہ کیا گیا کہ پچھلوں کی کمائی ان کے لئے تھی اور تمہاری کمائی تمہارے لئے ہے : ﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ﴾ (البقرہ : ۱۳۴ و ۱۴۱)

پس معلوم ہوا کہ از روئے قرآن مجید اصل بنائے فضیلت اور اصل بنائے شرف نسل اور خون کا رشتہ نہیں ہے بلکہ ایمان و تقویٰ ہے۔ بایں ہمہ دو باتیں انتہائی قابل غور ہیں۔ پہلی یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری اور رشتے داری کا تعلق چاہے کلی طور پر بنائے فضیلت نہ ہو لیکن مِن وَجہٍ فضیلت کی ایک بنیاد ضرور ہے۔

دوسری یہ کہ چونکہ عوام کے ذہن عموماً اس بنائے شرف کو قبول کرلیتے ہیں' بلکہ عوام کی اکثریت کا تصور فضیلت یہی ہے' چنانچہ ہمارے یہاں ایک مکتبۂ فکر نے عوام الناس کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اسی چیز کو بنائے شرف و فضیلت بنا کر اس کا زبردست چرچا کیا ہے۔ لہٰذا اِس نقطۂ نظر سے اگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری کے پہلو کو نمایاں اور واضح کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

حضورؐ سے قرابت

امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قرابت و رشتہ داری کے لحاظ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تہرا رشتہ اور تعلق ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خاندان کے لحاظ سے نجیب الطرفین قرشی ہیں اور پانچویں پشت میں ان کا اور حضور ﷺ کا نسبی تعلق یکجا ہو جاتا ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی والدہ حضرت اروٰی بنت اُم الحکیم بنت عبدالمطلب تھیں' لہٰذا حضرت عثمان غنیؓ کی والدہ محترمہ جناب عبدالمطلب کی نواسی تھیں اور نبی اکرم ﷺ عبدالمطلب کے پوتے۔ گویا حضور ﷺ اور حضرت عثمان غنیؓ کی والدہ ماجدہ کے مابین پھوپھی زاد بہن اور ماموں زاد بھائی کا رشتہ ہے۔ لہٰذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اِس نسبت سے نبی اکرم ﷺ کے بھانجے ہیں۔

شرفِ دامادی

دوسرا رشتہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے دوہرے داماد ہیں۔ ہجرت مدینہ سے بہت قبل حضورؐ کی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آئیں۔ ہجرت کے بعد غزوۂ بدر کے متصل ہی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا تو حضورؐ کی تیسری صاحبزادی حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا' حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حبالۂ نکاح میں آئیں۔ اِسی نسبت سے حضرت عثمان غنیؓ کا لقب "ذوالنورین" قرار پایا۔ حضور ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا عقد نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہو چکا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضورؐ کی

دامادی کا شرف حاصل تھا۔ دامادی کے اس شرف کا ایک خاص گروہ کی طرف سے خوب چرچا کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے بھی بادنیٰ تامل صاف نظر آتا ہے کہ حضرت عثمان غنی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں دامادی کی فضیلت دوچند اصل ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت عثمانؓ پر انتہائی رنج و ملال طاری تھا اور افسردگی و پژمردگی ان کے چہرۂ مبارک سے ہویدا تھی۔ ایک روز اسی رنج و الم کے عالم میں حضورؐ نے پوچھا کہ "اے عثمانؓ تمہارا کیا حال ہے!" حضرت عثمانؓ نے عرض کیا: "میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! میرے برابر اور کسی کو مصیبت نہ پہنچی ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی وفات پاگئیں اور میرے اور آپؐ کے درمیان دامادی کا رشتہ منقطع ہوگیا۔" حضور ﷺ نے فرمایا: "اے عثمانؓ! تم یہ کہہ رہے ہو اور جبریل علیہ السلام میرے پاس موجود ہیں، اور وہ مجھے خبر دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح تم سے کردیا ہے۔" گویا حضرت عثمان غنیؓ کا اُم کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح آسمان پر پہلے ہوا اور زمین پر بعد میں ـــــ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ یہ فضیلت صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نصیب میں آئی کہ جس طرح اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح حضورؐ سے پہلے آسمان پر ہوا اور بعد میں زمین پر، اسی طرح کا معاملہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہو چکا تھا ـــــ جب حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا بھی وفات پاگئیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں اور وہ یکے بعد دیگرے انتقال کرتی رہتیں تو بھی میں اپنی بیٹیوں کو یکے بعد دیگرے عثمانؓ کے نکاح میں دیتا رہتا۔ روایات میں تعداد مختلف ہے لیکن سب میں یہ بات مشترک ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی دامادی اور ان کے حسن سلوک سے اس قدر راضی، خوش اور مطمئن تھے کہ یکے بعد دیگرے اپنی صاحبزادیوں کو ان کے نکاح میں دینے کے لئے تیار تھے۔

آپ جانتے ہیں کہ خسر اور داماد کا رشتہ بڑی نزاکتوں کا حامل ہوتا ہے۔ اگر کسی داماد کے سلوک سے کسی بیٹی کا باپ غیر مطمئن ہو تو وہ کسی حال میں بھی اپنی دوسری بیٹی کو اس داماد کے نکاح میں دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں معاملہ یہ ہے کہ حضور

ﷺ حضرت عثمان غنیؓ کے نکاح میں یکے بعد دیگرے اپنی چالیس صاحبزادیاں دینے کے لئے تیار ہیں۔ یہ ایک ایسا شرف ہے کہ جس میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں اور یہ اس بات کی بھی روشن دلیل ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ حضورؐ کو کس قدر محبوب تھے۔

"ذُوالنّورین" کالقب

اگر دامادی کوئی وجہ شرف و فضیلت ہے اور یقیناً ایک درجے میں یہ وجہ شرف و فضیلت ہے تو اس لحاظ سے بھی حضرت عثمان غنی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فوقیت حاصل ہے۔ اور اسی نسبت سے آپؓ کالقب "ذوالنورین" قرار پایا تھا۔ اس معزز لقب کے چند اور پہلو بھی ہیں جو آگے بیان ہوں گے۔

معاندین کی جسارت

شاید آپ کو معلوم ہو کہ اِس دَور میں ایک مخصوص گروہ کی طرف سے نہایت ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ تاریخ کو مسخ کرنے کی جسارت کی جارہی ہے' اور وہ یہ کہ نبی اکرم ﷺ کی صلبی صاحبزادی صرف حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تھیں۔ بقیہ تین صاحبزادیاں حضرت زینب' حضرت رقیہ اور اُم کلثوم (رضی اللہ عنہن) حضور ﷺ کی صلبی بیٹیاں نہیں تھیں' بلکہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے کسی پہلے فوت شدہ شوہر سے تھیں اور حضورؐ کی ربیبہ تھیں ـــــ اتنا بڑا سفید جھوٹ اِس اعتماد پر گھڑا گیا ہے کہ آج سے پچاس ساٹھ سال بعد اس جھوٹ کو کسی طرح ایک تاریخی سند حاصل ہو جائے۔ چونکہ عوام الناس میں نہ شعور ہوتا ہے اور نہ ذوقِ تحقیق و جستجو' لہٰذا ان کے لئے پچاس ساٹھ سال پہلے کی کسی مطبوعہ کتاب کی عبارت بھی ایک سند اور دلیل کا درجہ حاصل کر سکتی ہے۔ دراصل یہ جرمنی کے ڈاکٹر گوئبلز کی خاص تکنیک ہے کہ بڑے سے بڑے جھوٹ ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ بولو اور مسلسل بولتے رہو' چند لوگ تو مغالطہ میں آکر اس جھوٹ کو سچ مان ہی لیں گے' اور بہت سے لوگ اگر تسلیم نہ بھی کریں تو کم از کم شکوک و شبہات

میں ضرور مبتلا ہو جائیں گے۔

یہ سب کچھ اس لئے کیا جارہا ہے کہ جس گروہ نے نسلی تعلق اور قرابت ہی کو بنائے شرف و فضیلت قرار دیا ہے اور اسی پر اپنے تمام فلسفہ کی عمارت تعمیر کی اور اس کا تانا بانا اُستوار کیا ہے تو جب انہیں یہ نظر آتا ہے کہ حضورؐ سے دامادی کا تعلق اِدھر (یعنی حضرت علیؓ کی طرف) اکہرا ہے اور اُدھر (یعنی حضرت عثمانؓ کی طرف) دوہرا ہے تو انہوں نے اس بات کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی کہ خود ان کے اپنے مسلک کی تاریخ، فقہ اور احادیث کی کتابوں میں یہ بات بالصراحت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے اور نبی اکرم ﷺ کے صلب سے چار بیٹیاں عطا فرمائی تھیں۔ انہوں نے یہ جھوٹ گھڑ لیا کہ نبی اکرم ﷺ کی صرف ایک ہی صُلبی صاحبزادی تھی اور وہ تھیں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا۔ یہ طرز عمل ڈھٹائی اور بے شرمی نہیں تو اور کیا ہے؟

ذاتی فضائل

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جن اہل ایمان کا حضور ﷺ کے ساتھ قرابت اور رشتہ داری کا تعلق تھا ان کے لئے یہ تعلق بھی ایک بنائے فضیلت ہے، لیکن یہ اصل اور واحد بنائے فضیلت نہیں ہے، اصل بنائے فضیلت درحقیقت انسان کا اپنا کردار، اپنا عمل، اپنا تقویٰ اور اپنے اوصاف ہوتے ہیں۔ عربی کا ایک مشہور شعر ہے کہ ؎

اِنَّ الفتٰی مَن یقول ھَا انا ذا
لیس الفتٰی مَن یقول کانَ ابی کذا

(اصل جواں مرد تو وہ ہے جو یہ کہے کہ "یہ میں ہوں"۔ وہ جواں مرد نہیں جو یہ کہے کہ میرا باپ ایسا تھا!)

اس شعر کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ "پدرم سلطان بود" کہنے والوں کو کبھی بھی دنیا میں مقام عزت حاصل نہیں ہوا ہے۔ سوال تو یہ ہوتا ہے کہ تم کیا ہو؟ جواں مرد تو وہی کہلانے کا مستحق ہے جو میدان میں آکر یہ کہے کہ "یہ میں موجود ہوں" اور اُس میں واقعی جوان مردی کے جوہر موجود ہوں۔ جوان مرد وہ نہیں ہے جو یہ کہے کہ میرے باپ دادا ایسے

شجاع' جری اور دلیر تھے۔ دنیا ایسے دعووں کو کبھی تسلیم نہیں کرتی۔ اس کی نظر میں قدر و وقعت صرف اس انسان کی ہوتی ہے جس میں اپنے ذاتی اوصاف حمیدہ موجود ہوں۔

مُنعمَ علیہم کون ہیں؟

میں چاہتا ہوں کہ خاص ذاتی اَوصاف اور سیرت و کردار کے اعتبار سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت مبارکہ کا جائزہ لیا جائے۔ آپ کو معلوم ہے کہ سورۃ الفاتحہ ہماری نماز کا جزوِلازم ہے۔ اس سورہ میں ہم اپنے رب سے ہر رکعت میں دعا کرتے ہیں کہ :

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴾ "اے ہمارے پروردگار! ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام فرمایا"۔ لیکن یہاں یہ بیان نہیں ہوا کہ "منعم علیہم" کون لوگ ہیں کہ جن کے راستے کی راہنمائی کی دعا کی جارہی ہے ـــــ فہم قرآن کا ایک اصول یہ ہے کہ : اَلْقُرْاٰنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا' چنانچہ سورۂ نساء میں اس بات کو واضح کیا گیا۔ وہاں فرمایا گیا کہ ان اہل ایمان کو جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو اس دنیا میں لازم کرلیں گے' آخرت میں ان لوگوں کی رفاقت و معیت نصیب ہوگی جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا' اور یہ منعَم علیہم اور خوش نصیب لوگ انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین ہیں۔ ایسے مبارک اور احسن لوگوں کی رفاقت اہل ایمان کو نصیب ہوگی :

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ' وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ○ ﴾ (النساء : ٦٩)

سورۂ نساء کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ ازروئے قرآن حکیم منعم علیہم کی چار جماعتیں ہیں۔ ان میں انبیاء کرام علیہم السلام بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔ پھر صدیقین کا درجہ ہے' ان کے بعد شہدائے کرام' اور ان کے بعد مومنین صالحین ہیں۔ ان چاروں درجات عالیہ میں سے جہاں تک نبوت کا تعلق ہے تو وہ پہلے ہی کسبی نہیں تھی' وہبی تھی۔ اور نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی پر اس کا دروازہ ہمیشہ ہمیش کے لئے بند ہو چکا ہے۔

اب قیامت تک کسی نوع کا کوئی نبی مبعوث نہیں ہو گا' نہ ظلی نہ بروزی۔ اب جو بھی دعوئ نبوت کرے اس کے کذّاب ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ البتہ بقیہ جو تین مراتب و مدارج ہیں ان کے دروازے اب بھی کھلے ہیں۔ اصحاب ہمت و عزیمت کے لئے اپنی اپنی ہمت' کوشش' محنت' ایثار اور کسی درجے میں اپنی اپنی افتادِ طبع کے اعتبار سے اُن تینوں مراتب پر فائز ہونا اب بھی ممکن ہے۔ البتہ جو نفوس قدسیؓ نبی اکرم ﷺ کے صحبت یافتہ ہیں اور صحابی ہونے کے شرف کے حامل ہیں ان کے رتبے اور مرتبے کو پہنچنا ممکن نہیں۔ ہاں! ان مقامات عالیہ کے دروازے بند نہیں ہوئے اور مومنین کو اپنی اپنی سعی و جہد اور محنت کے نتیجہ میں یہ درجات حاصل ہو سکتے ہیں۔

صدیقِ اکبرؓ کا مقام

اب اس مقدمے کے ساتھ آخری پارے کی سورۃ اللّیل کی چند آیاتِ مبارکہ پر غور کیجئے۔ اس سورۂ مبارکہ کی آخری چھ آیات کے متعلق تو مفسرین کا تقریباً اجماع ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں' جو بلاشبہ صدیق اکبر ہیں' اور جن کی شان یہ ہے کہ وہ "افضلُ البشرِ بعد الانبیاء بالتحقیق" ہیں۔ ان آیات میں "الاَتقٰی" کا مصداق اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان آیات میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا سب سے نمایاں وصف اللہ کی راہ میں مال صرف کرنا بیان ہوا ہے : ﴿ اَلَّذِیۡ یُؤۡتِیۡ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی ۝ ﴾ یہ مال اللہ کی راہ میں صدیق اکبرؓ نے اپنے تزکیہ کے لئے صرف کیا۔ یہ نہیں کہ ان پر کسی کا قرض یا دباؤ تھا بلکہ یہ سارا انفاق لِوَجۡهِ اللّٰهِ تھا۔ چنانچہ فرمایا ﴿ وَ مَا لِاَحَدٍ عِنۡدَهٗ مِنۡ نِّعۡمَةٍ تُجۡزٰۤی ۝ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِ الۡاَعۡلٰی ۝ ﴾ اس مال کے صرف کا ایک ہی مقصد صدیق اکبرؓ کے پیش نظر تھا اور وہ تھا رضائے الٰہی کا حصول ـــــ یتیموں کی سرپرستی' بیواؤں کی دستگیری' صاحب ایمان غلاموں کی خرید اور رُستگاری' مسافروں کی خبر گیری' محتاجوں کی حاجت روائی اور پھر دین حق کے غلبے اور اللہ کے جھنڈے کو بلند کرنے' اسلام کی نشرو اشاعت' جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے سامان کی فراہمی میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مال و منال خرچ ہو رہے تھے' اور تمنا

اور آرزو تھی تو صرف یہ کہ اللہ راضی ہو جائے ـــــ اس سورۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بھی صدیق اکبرؓ کو اپنی رضا کی ان الفاظ میں خوش خبری سنائی ہے کہ : ﴿وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝﴾ امام رازی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک سورۃ اللیل دراصل "سورۃ الصدیق" ہے اور فوراً مابعد سورۃ الضحیٰ سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے ـــــ یہی نکتہ ہے کہ سورۃ اللیل میں صیغہ غائب میں فرمایا ﴿وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝﴾ اور سورۃ الضحیٰ میں واحد حاضر کے صیغہ میں فرمایا : ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝﴾

صِدّیقیت کے عناصرِ ترکیبی

مقام صدیقیت کے جو عناصر ترکیبی ہیں وہ سورۃ اللیل کی اِن تین آیتوں میں بیان ہوئے ہیں : ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝﴾ جس صاحب ایمان شخص کی سیرت و کردار میں یہ اَجزائے ثلاثہ "اِعطاء ' تقویٰ اور تصدیق بالحسنیٰ" جمع ہو جائیں اس کے لئے مقامِ صدیقیت کی راہ کشادہ اور آسان ہو جاتی ہے۔ آخری آیات میں سب سے زیادہ اعطاء کے وصف کو نمایاں کیا گیا' جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں : ﴿اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ۝﴾ ـــــ ایک طرف اِعطاء ہو' جُود و سخا ہو۔ کسی کو تکلیف میں دیکھ کر انسان تڑپ اٹھے' اس کی تکلیف دور کرنا اگر اس کے بس میں ہو تو اسے دُور کرے۔ کسی کو احتیاج میں دیکھ کر اس کا اپنا آرام حرام ہو جائے' اور اس پر یہ دھن سوار ہو کہ کسی طرح اس کی احتیاج کے دور کرنے میں اس کا تعاون شامل ہو جائے۔ مقام صدیقیت کا یہ سب سے اعلیٰ وصف ہے۔ دوسرا وصف ہے تقویٰ ـــــ طبیعت میں نیکی کا مادہ' خیر کا جذبہ' نیکی کا فطری میلان' برائی اور بدی سے طبعی کراہت اور نفرت' برائی سے بچنے کا ذاتی رجحان اور کوشش۔ گویا خدا خوفی اور خدا ترسی کی ایک کیفیت ـــــ اور تیسرا وصف جو مقام صدیقیت کی تکمیل کرتا ہے' اور جس سے کسی کی صدیقیت پر مہر ثبت ہو جاتی ہے وہ ہے ﴿وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝﴾ یعنی جو بھی اچھی بات سامنے آئے اس کی فوراً تصدیق کرے۔ انانیت نہ ہو' تکبر نہ ہو کہ میں اگر دوسرے کی بات مان لوں گا تو میں چھوٹا ہو جاؤں گا اور وہ بڑا ہو جائے گا ـــــ ہم خود اپنے اوپر اس

بات کو وارد کر کے سمجھ سکتے ہیں کہ بسااوقات کسی سے بحث ہو رہی ہو اور اثنائے بحث میں انسان محسوس کر بھی لے کہ مقابل کی بات درست ہے' لیکن وہ اپنی بات کی اُونچ اور انانیت کی بنا پر اپنے موقف کے غلط ہونے کے شعور و ادراک کے باوجود دوسرے کی بات تسلیم کرنے سے احتراز کرتا ہے اور اسے اپنی شکست اور ہیٹی سمجھتا ہے' للذا کٹ حجتی اختیار کرتے ہوئے دلیل پر دلیل وضع کرتا چلا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی کی بات کو مان لینا اور تسلیم کر لینا آسان کام نہیں۔ جس شخص میں یہ وصف ہو کہ چاہے دشمن بھی ایسی کوئی بات کہے جو عدل و انصاف پر مبنی ہو تو اسے فوراً تسلیم کرے' بلاشبہ وہ صاحب کردار شمار ہو گا۔ اس طرزِ عمل کا نام ہے تصدیق بالحسنٰی ـــــ یہ تینوں اوصاف اِعطاء' تقویٰ اور تصدیق بالحسنٰی جس صاحب ایمان میں جمع ہو جائیں' وہ شخص صدیق کہلائے گا۔ چنانچہ سب سے زیادہ اور سب سے نمایاں طور پر یہ اوصاف ثلاثہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں جمع ہوئے' اسی لئے وہ صدّیقِ اکبرؓ ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ "صِدّیق" صرف وہی ہیں' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صدیقین کی جماعت میں حضرت ابو بکرؓ دراصل "صدیق اکبر" کے مقام پر فائز ہیں' وہ صدیقین کی جماعت کے سرخیل اور گلِ سرسبد ہیں۔ اس کی دلیل سورۃ النساء کی محوّلہ بالا آیت میں موجود ہے' جس میں جمع کا صیغہ "صِدّیقین" استعمال ہوا ہے۔

یہی بات سورۃ الحدید کی آیت ۱۸ میں بایں الفاظ بیان ہوئی ہے: ﴿اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَھُمْ وَلَھُمْ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ○﴾ یعنی "بے شک صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں' اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دیں' ان کے لئے دوگنا اجر ہے اور بہترین بدلہ ہے' جس میں اضافہ ہوتا رہے گا"۔ اس آیت کریمہ میں ایک اصطلاح "صدقہ" کی استعمال ہوئی ہے اور ایک "اللہ کو قرضِ حسن دینے کی"۔ اِن دونوں اصطلاحوں کے علیحدہ علیحدہ مفاہیم ہیں۔ "صدقہ" اُس اِنفاق کو کہتے ہیں جو یتیموں' بیواؤں' محتاجوں' مسافروں اور حاجت مندوں کی خبر گیری اور حاجت روائی کے لئے صرف کیا جائے' جبکہ اللہ کے ذمے "قرضِ حسن" دراصل وہ انفاق مال ہے جو اللہ کے دین کے غلبے' نشر و اشاعت اور دعوت و تبلیغ کی راہ میں کیا جائے'

جس کا مقصود و مطلوب ہو : لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا۔

سورۃ الحدید میں اللہ کے دین کے غلبے کے لئے مسلمانوں کو ترغیب و تشویق کا مضمون تانے بانے کی طرح جڑا ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا : ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝﴾ "کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تاکہ وہ اس میں مسلسل اضافہ فرماتا رہے؟ ایسے شخص کے لئے اجر کریم ہے"۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی اور رحیمی ہے کہ وہ اس مال کو جو اس کے دین کی سربلندی کے لئے صرف کیا جائے' اپنے ذمے "قرض حسنہ" سے تعبیر کرتا ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ تو الغنی ہے' اسے کسی کے مال کی کوئی حاجت نہیں' اس کی شان تو قرآن میں ﴿وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ لیکن وہ اپنے دین کی راہ میں خرچ کئے جانے والے مال کو اپنے ذمے قرض حسن سے تعبیر فرماتا ہے' جس سے محض مسلمانوں کی حوصلہ افزائی اور قدر دانی مقصود ہے۔

اسی سورۃ الحدید میں صاحب احتیاج لوگوں کی حاجت روائی اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے مال صرف کرنے والوں سے اجر کریم کے وعدے کے بعد فرمایا :

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ' لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ﴾ "اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے' وہی صدّیقین اور شہداء میں سے ہیں۔ ان کے لئے ان کا اجر اور ان کا نور ہے"۔ یعنی جن لوگوں میں اِعطاء کا وصف موجود ہے' جو بخیل نہیں' جود و سخا سے متصف ہیں' جو غرباء' یتامیٰ' مساکین اور دوسرے صاحب احتیاج لوگوں کی خبر گیری اور حاجت روائی' نیز اللہ کے دین کے غلبے اور نشر و اشاعت کے لئے اپنا مال صرف کرتے ہیں' یہی وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے کشتِ قلوب میں ایمان کی تخم ریزی ہوتی ہے تو وہ پورے طور پر بار آور ہوتا ہے' اور خوب برگ و بار لاتا ہے۔ یہ بات آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ بیج ایک ہو لیکن اگر زمین مختلف ہو تو نتائج بھی مختلف برآمد ہوتے ہیں۔ ہر بیج کی نشو و نما اور بار آوری کے لئے لازم ہے کہ زمین اس بیج کے لئے سازگار ہو۔ اگر زمین بنجر ہو گی تو بیج ضائع ہو جائے گا۔ اسی بات کو نبی اکرم ﷺ نے اپنے ارشاد گرامی سے بھی واضح کیا اور اسی کی ایک

تمثیل انجیل میں بھی بیان ہوئی ہے' جس کا مفادیہ ہے کہ زمینوں کے فرق سے پیداوار میں زمین و آسمان کا تفاوت ہو جائے گا ـــــ ایک کشتِ قلب وہ ہے جس میں اِعطاء' صدقہ' اور انفاق فی سبیل اللہ کا ہل چل چکا ہے۔ اس میں جب ایمان کا بیج پڑے گا تو بار آور ہو گا اور اس کو صدیقیت و شہادت کے مقاماتِ عظمیٰ تک رسائی حاصل ہو جائے گی : ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ عِندَ رَبِّهِمْ﴾ "یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے نزدیک صدیق بھی ہیں اور شہید بھی ـــــ ﴿لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ﴾ "یہی وہ لوگ ہیں جن کا بدلہ بھی اللہ کے ہاں محفوظ ہے اور جن کا نور بھی محفوظ ہے"۔

سیرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے چند درخشاں پہلو

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لقب "ذوالنورین" کی شرح اس آیت کی روشنی میں بھی ہوتی ہے' کیونکہ ہم جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت مبارکہ کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ نورِ صدیقیت اور نورِ شہادت' دونوں جس شخصیت میں یکجا جمع ہوئے ہیں وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اس بات کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت کے تجزیئے سے بہتر طریقے پر سمجھا جا سکے گا۔ میں جو بات واضح کرنا چاہتا ہوں' میں اس کا تانا بانا بُن چکا ہوں۔ اب آپ اس میں بہ سہولت پھول ٹانک سکتے ہیں' اب یہ پھول آپ کو علیحدہ محسوس نہیں ہوں گے بلکہ تانے بانے میں گتھے ہوئے نظر آئیں گے۔

جُود و سخا

سب سے پہلے "اِعطاء" کے وصف کو لیجئے جو مقامِ صدیقیت کا وصفِ اول ہے۔ یہ وصف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت میں بہت نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب "اِزَالَةُ الخِفاء عَن خِلافةِ الخُلفاء" میں محققین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو "ذُوالنّورین" کا جو لقب ملا تو اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان میں دو سخاوتیں جمع ہو گئی تھیں۔ ایک سخاوت اسلام لانے سے پہلے کی زندگی کی ہے اور دوسری سخاوت کی شان وہ ہے کہ جو اسلام لانے

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کے بعد ظاہر ہوئی۔ اصلاً تو آپؓ کو "ذُوالنُّورین" کا لقب حضور ﷺ کی دو صاحبزادیوں کا یکے بعد دیگرے آپؓ کے حبالۂ عقد میں آنے کی وجہ سے ملا تھا' لیکن حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے نزدیک محققینِ اُمّت کا یہ قول بھی سند کا درجہ رکھتا ہے کہ اس معزز لقب کا باعث حضرت عثمانؓ کی زندگی میں اسلام سے قبل اور قبول اسلام کے بعد کی جود و سخا بھی ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی عمر نبی اکرم ﷺ سے پانچ سال کم تھی۔ ان کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی بڑے گہرے مراسم تھے۔ ظاہر ہے کہ گہرے اور مضبوط دوستانہ تعلقات و مراسم میں طبیعت و مزاج کی یگانگی اور موافقت موجود ہونا ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا جس طرح اسلام سے قبل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیکر جود و سخا اور نوع انسانی کی ہمدردی سے معمور شخصیت تھے اسی کا عکس کامل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی تھے ——— اسلام لانے کے بعد جس طرح صدیق اکبرؓ نے اپنا سارا اثاثہ اور مال و منال دین حق کی سربلندی اور غلبے کے لئے لگایا اور ان غلاموں کو جو دولت ایمان سے مشرف ہونے کے باعث اپنے آقاؤں کے ہاتھوں ظلم کی چکی میں پس رہے تھے' اپنی جیب خاص سے خرید کر آزاد کیا' اور غزوۂ تبوک کے موقع پر اپنا پورا گھر کا اثاثہ سمیٹ کر نبی اکرم ﷺ کے قدموں میں لاڈالا' کم و بیش یہی کیفیت حضرت عثمان غنیؓ کی بھی رہی ہے' اور انہوں نے نہایت ہی نامساعد حالات میں اپنے سرمائے سے دین کی خدمت کی ہے' جس کی چند مثالیں آگے بیان ہوں گی۔ اِس وقت جو بات میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہر صدیق کی سیرت میں صدیقیت کبریٰ کا عکس ضرور نظر آئے گا۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت میں یہ عکس بتمام و کمال موجود ہے اور اسی وصف کے باعث ان کا دوسرا معزز لقب "غنی" بھی ہے۔

بئرِ رومہ کا وقف کرنا

ہجرت کے بعد جب مدینہ میں مسلمانوں کے لئے پانی کی قلت ہوئی اور مسلمانوں کی عورتیں بئرِ رومہ سے' جو ایک یہودی کی ملکیت تھا اور مدینہ سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر

تھا' پانی بھرنے جاتی تھیں تو یہودی ان پر فقرے کستے تھے اور اس طرح مسلمانوں کی عزت مجروح ہوتی تھی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے میٹھے پانی کے اس کنویں کے مالک یہودی کو منہ مانگی بھاری قیمت ادا کر کے بئرِ رومہ خریدا اور اُسے مسلمانوں کے اِستفادے کے لئے وقف کر دیا ـــــ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "اَلنَّاسُ کَالْمَعَادِنِ" یعنی "لوگ معدنیات کی مانند ہوتے ہیں"۔ سونے کی دھات جب ناصاف اور کچی حالت میں ہو تب بھی تو سونا ہی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے ساتھ مٹی' چونا اور دوسری چیزیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ اس کچی دھات کو کٹھالی میں ڈالئے تو خالص سونا فراہم ہو جائے گا' اس کی ماہیت میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ یہی بات ہے جو اس حدیث مبارکہ میں بیان ہوئی ہے کہ خِیارکم فِی الجاھلیَّۃِ خیارکم فی الاسلام "تم میں سے جو دورِ جاہلیت میں بہترین لوگ تھے وہی اسلام میں بھی بہترین لوگ ہیں"۔ سونا جب تپ تپا کر کٹھالی سے برآمد ہوتا ہے تو زرِ خالص ہو جاتا ہے۔ یہی معاملہ صدیقین کا ہوتا ہے۔ ان میں جو اوصاف ایمان سے قبل موجود ہوتے ہیں وہ ایمان کی بھٹی میں گزر کر مزید نکھر جاتے ہیں اور پختہ ہو جاتے ہیں۔ اسی اعتبار سے صدیق اکبر اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما کی سیرتوں کے دونوں ادوار میں فیاضی اور سخاوت اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔

غلاموں کو آزاد کرانا

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو بالکل آغاز ہی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر ایمان لائے تھے' خود فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت ایمان کرنے کے بعد میری زندگی میں کوئی جمعہ ایسا نہیں گزرا جس میں' میں نے کسی نہ کسی غلام کو آزاد نہ کیا ہو۔ اگر کبھی ایسا اتفاق ہوا کہ میں کسی جمعہ کو غلام آزاد نہ کر سکا تو اگلے جمعہ کو میں نے دو غلام آزاد کئے۔

حرمِ نبویؐ کی توسیع

مسجد نبوی کی توسیع کے لئے نبی اکرم ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ "کون ہے جو

فلاں مویشی خانے کو مول لے اور ہماری مسجد کے لئے وقف کردے تاکہ اللہ اس کو بخش دے" تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بیس یا پچیس ہزار دینار میں یہ قطعہ زمین خرید کر مسجد نبوی کے لئے وقف کر دیا۔

جیشِ عُسرہ کے لئے ایثار

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا جذبۂ انفاق فی سبیل اللہ دیدنی تھا۔ یہ وہ موقع تھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تو اِس مقام بلند ترین تک پہنچے کہ کُل اثاثُ البیَت لاکر حضورؐ کے قدموں میں ڈال دیا، گھر میں جھاڑو تک نہ چھوڑی اور جب حضورؐ نے فرمایا کہ "کچھ فکر عیال بھی چاہئے" تو اُس رفیق غار اور عشق و محبت کے رازدار نے کہا کہ ؎

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صِدّیق ؓ کے لئے ہے خدا کا رسول ؐ بس

یہی وہ موقع تھا کہ جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ خیال گزرا تھا کہ وہ اس مرتبہ انفاق میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بازی لے جائیں گے، کیونکہ حسن اتفاق سے اُس وقت، خود حضرت عمر فاروق ؓ کے بقول، اُن کے پاس کافی مال تھا۔ انہوں نے اپنے تمام اثاثے کے دو مساوی حصے کئے، ایک حصہ اہل و عیال کے لئے چھوڑا اور دوسرا حصہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا، لیکن جب جناب صدیق اکبر ؓ کا یہ ایثار ان کے سامنے آیا کہ گھر میں جھاڑو پھیر کر سب کچھ خدمتِ اَقدس میں لاڈالا تو وہ بے اختیار پکار اٹھے کہ صدیق اکبر ؓ سے آگے بڑھنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

ذرا چشم تصور سے دیکھئے کہ غزوۂ تبوک کی تیاری ہو رہی ہے، سینکڑوں میل دُور کا سفر درپیش ہے، سخت ترین گرمی کا موسم ہے، جہاد کے لئے نفیرعام ہے، وقت کی عظیم ترین طاقت سلطنتِ روما سے مسلح تصادم کا مرحلہ سامنے ہے۔ مسجد نبویؐ میں نبی اکرم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہیں اور لوگوں کو بار بار ترغیب و تشویق دلا رہے ہیں کہ وہ اِس غزوہ کے لئے زیادہ سے زیادہ انفاق کریں، آلاتِ حرب و ضرب اور سامانِ رسد و نقل و حمل مہیا کریں یا، اُس کی فراہمی کے لئے نقد سرمایہ فراہم کریں۔ اِس موقع پر حضرت

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوتے ہیں اور بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں کہ حضورؐ! میری طرف سے ایک سو اونٹ مع ساز و سامان حاضر ہیں۔ حضورؐ کو علم ہے کہ کتنی عظیم مہم درپیش ہے اور کتنا ساز و سامان درکار ہے' لہٰذا حضورؐ صحابہ رضی اللہ عنہم کو انفاق کی مزید ترغیب دیتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ حضورؐ! میں مزید ایک سو اونٹ مع ساز و سامان پیش کرتا ہوں۔ حضورؐ لوگوں کو مزید ترغیب دیتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ تیسری بار پھر کھڑے ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ میں ساز و سامان سمیت ایک سو اونٹ مزید فی سبیل اللہ نذر کرتا ہوں۔ یعنی اس مردِ غنیؓ کی جانب سے اس غزوہ کے لئے تین سو اونٹ مع ساز و سامان پیش کئے جاتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ اس موقع پر حضور ﷺ منبر سے اترے اور دو مرتبہ فرمایا کہ اس کے بعد عثمانؓ کو کوئی بھی عمل (آخرت میں) نقصان نہیں پہنچا سکتا"۔ اس واقعہ کے متعلق پوری حدیث درج ذیل ہے :

عن عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللّٰہ عنہ قال : شَهِدتُ النبیَّ صلَّی اللہ علیہ وسلم وھو یَحُثُّ علٰی تَجھیزِ جَیْشِ العُسْرَةِ ' فقَام عثمانُ بنُ عَفَّان ' فقال : یارَسولَ اللّٰہ ' عَلَیَّ مِائةُ بَعیرٍ بِاَحْلاَسِھَا و اَقْتَابِھَا فِی سبیلِ اللّٰہِ' ثُمَّ حَضَّ عَلَی الْجَیشِ ' فقَامَ عُثمانُ فقال : یارَسولَ اللّٰہِ : عَلَیَّ مِائَتَا بَعیرٍ بِاَحْلاَسِھَا و اَقْتَابِھَا فِی سبیلِ اللّٰہِ' ثُمَّ حَضَّ عَلَی الْجَیشِ' فقَامَ عُثمان فقال : یارَسولَ اللّٰہِ : عَلَیَّ ثَلاثُمائةِ بعیرٍ بِاَحْلاَسِھَا و اَقْتَابِھَا فِی سبیلِ اللّٰہِ' فاَنَا رَاَیتُ النبیَّ صلَّی اللّٰہ علیہ وسلم یَنْزِلُ علَی الْمِنبرِ وھُو یَقولُ : ((مَا عَلٰی عُثمانَ ما فَعَلَ بعدَ ھٰذِہٖ ' مَا علٰی عُثمانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ ھٰذِہٖ)) (رواہ الترمذی)

اسی جیشِ عسرہ کے لئے حضور ﷺ نقد سرمائے کے انفاق کی بھی ترغیب دلاتے ہیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے مستقر پر جاتے ہیں اور اپنے گماشتوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ

جس قدر بھی نقد سرمایہ جمع ہو سکے فوراً پیش کرو۔ چنانچہ ایک ہزار دینار (اشرفیاں) ایک تھیلی میں بھر کر نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے ہیں۔ حضورؐ منبر پر تشریف فرماہیں' عثمان غنیؓ حضورؐ کی گود میں وہ اشرفیاں الٹ دیتے ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جوش مسرت سے چہرۂ انورؐ کی رنگت اتنی سرخ ہو جاتی ہے کہ جیسے رخسار مبارک پر سرخ انار نچوڑ دیئے گئے ہوں۔ یعنی فرطِ مسرت سے حضورؐ کا چہرۂ مبارک گلنار ہو گیا تھا۔ آپؐ جوش مسرت کے ساتھ اپنی گود میں ہاتھ ڈال کر ان اشرفیوں کو بار بار الٹ پلٹ رہے تھے۔ اس موقع پر بھی حضورؐ دو مرتبہ فرماتے ہیں کہ: "آج کے دن کے بعد عثمانؓ کو (آخرت میں) کوئی عمل ضرر نہیں پہنچا سکتا"۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن عبد الرحمٰن بن سَمرة رضی اللّٰہ عنہما' جَاءَ عُثمانُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاَلْفِ دِینارٍ فِی کُمِّہٖ حِینَ جَھَّزَ جَیْشَ الْعُسْرَۃِ' فَنَثَرَھَا فِی حَجْرِہٖ' قال عبدُالرحمٰن : فَرَاَیْتُ النبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقَلِّبُھَا فِی حَجْرِہٖ وَیقُولُ: ((مَا ضَرَّ عُثمانَ ما عَمِلَ بَعْدَ الْیَوْمِ — مَرَّتَیْنِ))

(رواہ الترمذی' ورواہ ایضاً احمد فی "المسند")

اس کا دُور دُور بھی امکان نہیں تھا کہ آنحضور ﷺ کی اس بشارت کے بِرتے پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسے مؤمنِ صادق سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی کوئی معصیت صادر ہو گی۔ حضورؐ کا یہ ارشاد دراصل حضرت عثمان غنیؓ کے اس بلند ترین مقام و مرتبہ کے اظہار کے لئے تھا جو انہوں نے انفاق فی سبیل اللہ کی بدولت حاصل کیا تھا۔

اسی غزوۂ تبوک کے سلسلہ میں اِزالۃُ الخفاء میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ تبوک کے سفر میں جتنی بھوک پیاس اور سواری کی تکلیف درپیش آئی اتنی کسی دوسرے غزوے میں نہیں آئی۔ دوران سفر ایک مرتبہ سامان خورد و نوش ختم ہو گیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے مناسب سامان اونٹوں پر لاد کر حضورؐ کی خدمت میں روانہ کیا۔ اونٹوں کی تعداد اتنی کثیر تھی کہ ان

کی وجہ سے دُور سے تاریکی نظر آرہی تھی جس کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگو! تمہارے واسطے بہتری آگئی ہے"۔ اونٹ بٹھائے گئے اور جو کچھ ان پر سامان لدا ہوا تھا، اتار آگیا۔ حضورؐ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا "میں عثمانؓ سے راضی ہوں، اے اللہ، تو بھی عثمانؓ سے راضی ہو جا۔" یہ فقرہ حضورؐ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا کہ "تم بھی عثمانؓ کے حق میں دعا کرو"۔

فیاضی کی مزید مثالیں

"ازالۃ الخفاء" ہی میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت نقل کی ہے۔ اُم المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں پر چار دن بے آب و دانہ گزر گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا "اے عائشہ! کہیں سے کچھ آیا؟"۔ میں نے کہا "خدا آپؐ کے ہاتھ سے نہ دلوائے تو مجھے کہاں سے مل سکتا ہے!"۔ اس کے بعد حضورؐ نے وضو کیا اور اللہ کی تسبیح کرتے ہوئے باہر تشریف لے گئے۔ کبھی یہاں نماز پڑھتے کبھی وہاں اور اللہ سے دعا فرماتے" ـــــ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ تیسرے پہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے، انہوں نے پوچھا "اے ماں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟" میں نے کہا کہ "بیٹے! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر والوں نے چار دن سے کچھ نہیں کھایا۔ آپؐ اسی پریشانی میں باہر تشریف لے گئے ہیں"۔ یہ سن کر حضرت عثمانؓ رو پڑے۔ فوراً واپس گئے اور آٹا، گیہوں اور خرمے اونٹوں پر لدوائے اور کھال اتری ہوئی بکری اور ایک تھیلی میں تین سو درہم لے کر آئے"۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ "حضرت عثمانؓ نے مجھے قسم دلائی کہ جب کبھی ضرورت پیش آئے، مجھے ضرور خبر کیجئے گا" ـــــ کچھ دیر بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور پوچھا: "میرے بعد تم کو کچھ ملا؟" میں نے کہا: "اے اللہ کے رسولؐ آپ اپنے اللہ سے دعا کرنے گئے تھے اور اللہ آپؐ کی دعا رد نہیں کرتا!" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر پھر مسجد میں چلے گئے اور میں نے سنا کہ آپؐ ہاتھ اٹھا کر دعا فرما رہے تھے

کہ "اے اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہو گیا، تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ اے اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہو گیا، تو بھی اس سے راضی ہو جا!"۔

صدقے میں حضرت عثمانؓ کا مرتبہ بے حد بلند تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے صدقے کا ایک عجیب ماجرا بیان کیا ہے جو دورِ صدیقی میں پیش آیا تھا۔ یہ واقعہ بھی شاہ صاحبؒ نے اپنی کتاب "ازالۃ الخفاء" میں درج کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک سال قحط پڑا، سامان خورد و نوش کے ذخیرے ختم ہو گئے۔ لوگوں نے حضرت صدیق اکبرؓ سے فریاد کی تو انہوں نے فرمایا کہ اِن شاء اللہ کل تمہاری تکلیف دور ہو جائے گی۔ دوسرے روز علی الصبح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ایک ہزار اونٹ غلے سے لدے ہوئے مدینہ پہنچے۔ مدینہ کے تاجر علی الصبح حضرت عثمانؓ کے گھر پہنچے اور ان کو پیشکش کی کہ وہ یہ غلہ ان کے ہاتھ فروخت کر دیں تاکہ بازار میں بیچا جا سکے اور لوگوں کی پریشانیاں دور ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا: میں نے یہ غلہ شام سے منگایا ہے، تم میری خرید پر کیا نفع دو گے؟ تاجروں نے دس کے بارہ (یعنی بیس فیصد منافع) کی پیشکش کی۔ حضرت عثمانؓ نے کہا: مجھے اس سے زیادہ ملتے ہیں۔ تاجروں نے کہا ہم دس کے چودہ (چالیس فیصد منافع) دیں گے۔ آپ نے کہا: مجھے اِس سے بھی زیادہ ملتے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ ہم سے زیادہ دینے والا کون ہے؟ مدینہ میں تجارت کرنے والے تو ہم ہی لوگ ہیں ــــ حضرت عثمانؓ نے کہا: مجھے تو ہر درہم کے بدلے میں دس ملتے ہیں۔ کیا تم اس سے زیادہ دے سکتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا: نہیں! حضرت عثمانؓ نے کہا: "اے تاجرو! میں تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں یہ تمام غلہ مدینہ کے محتاجوں پر صدقہ کرتا ہوں"۔

حضرت ابن عباسؓ مزید بیان کرتے ہیں کہ اسی رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ نور کی ایک چھڑی آپؐ کے دست مبارک میں ہے اور آپؐ کے جوتے کے تسمے بھی نور کے ہیں اور آپؐ بعجلت کہیں تشریف لے جانے کا ارادہ فرما رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضورؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں آپؐ کا بے

حد مشتاق ہوں' مجھ پر بھی کچھ توجہ فرمایئے۔ حضورؐ نے فرمایا : "میں عجلت میں ہوں' اس وجہ سے کہ عثمان غنیؓ نے اللہ کی راہ میں ایک ہزار اونٹ غلہ صدقہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا صدقہ قبول کر لیا ہے۔ اس کے عوض جنت میں ان کی شادی ہے' میں اسی میں شرکت کے لئے جا رہا ہوں۔"

اللہ! اللہ! یہ ہے اِعطاء کی شان' جس کے حامل نظر آتے ہیں حضرت عثمان غنی' رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ اِس وصف میں پیکرِ اکمل وافضل اور نبی اکرم ﷺ کے عکس کامل ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور صدیق اکبرؓ کے عکس کامل نظر آتے ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اب ذرا سورۃ الحدید کی ان دو آیات پر ایک نگاہ باز گشت ڈال لیجئے :

﴿ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ' لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ﴾ (الحدید : ۱۸'۱۹)

تقویٰ کی شان

اب آگے چلئے اور عثمان غنی ؓ کی سیرت میں تقویٰ کے وصف کا جائزہ لیجئے۔ شاہ ولی اللہ نے "الاستیعاب" کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ خود یہ فرماتے ہیں کہ "میں نے اسلام سے قبل دورِ جاہلیت میں کبھی بھی نہ تو زنا کیا اور نہ چوری کی" ــــ یہاں یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ صدیق پر دورِ جاہلیت کبھی بھی نہیں آتا' وہ فطرتاً سلیم الطبع اور مکارم اخلاق سے متصف ہوتا ہے۔ زمانی لحاظ سے چونکہ اجراء وحی سے قبل کا دَور دورِ جاہلیت کہلاتا ہے لہٰذا حضرت عثمانؓ کے قول میں ان کے اسلام سے قبل کے زمانے کے لئے "دورِ جاہلیت" استعمال ہوا ہے۔ یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ حضرت ابوبکر کی طرح حضرت عثمان (رضی اللہ عنہما) نے بھی ایام جاہلیت ہی میں' جس میں شراب نوشی اور زنا کو معیوب سمجھنے کے بجائے قابل فخر کام سمجھا جاتا تھا' شراب کو اپنے اوپر حرام

کرلیا تھا' اور ان نفوسِ قدسی کے شکم میں کسی وقت اس اُم الخبائث کا ایک قطرہ بھی نہیں گیا تھا۔ پھر یہ کہ ان دونوں بزرگوں نے کبھی کسی بت کے سامنے کسی قسم کے مراسم عبودیت انجام نہیں دیئے تھے۔ یہ نتیجہ تھا اُس فطرت سلیمہ کا جس کے متعلق نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ :

((مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلاَّ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ ' فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ (متفق علیہ)

"ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت (سلیمہ) پر پیدا ہوتا ہے' پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی' نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں"۔

یعنی ہر انسان فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ یہ تو ماحول اور ماں باپ کے اثرات کا نتیجہ ہوتا ہے کہ یہ فطرت سلیمہ مسخ ہو جاتی ہے اور انسان شرک اور دوسرے ذمائم اور فواحش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ورنہ اگر فطرت اپنی صحت و سلامتی پر برقرار رہے تو انسان سے معاصی کا صدور محال ہے۔ اس لئے کہ فطرت اُس ہستی کی بنائی ہوئی ہے جو کہ "فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ ﴾ اور فاطر انسان ہے۔ چنانچہ ہر نبی اور ہر صدیق فطرت سلیمہ پر برقرار ہوتا ہے۔

نبوت و صدیقیت میں مزاج کے اعتبار سے بڑا قرب ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی کا دستِ حنائی کسی ایک پھول کو چن لیتا ہے۔ جیسے ایک باغ میں بے شمار گلاب کھلے ہوتے ہیں لیکن باغبان ان میں سے ایک پھول کا انتخاب کرلیتا ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں اللہ تعالٰی کا یہ انتخاب "اصطفاء" اور "اجتباء" کہلاتا ہے جس پر انبیاء و رُسل فائز ہوئے ہیں اور اسی کو وہبی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ محمد رسول اللہ مصطفیٰ بھی ہیں اور مجتبیٰ بھی' صلی اللہ علیہ وسلم! ـــــ بقیہ پھولوں کو اگر صدیقین تصور کیا جائے تو ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جیسے ہی نبی اور رسول کی دعوت ان کے کانوں تک پہنچتی ہے تو وہ یہ کہتے ہوئے لپک کر اس دعوت پر لبیک کہتے ہیں کہ : ﴿رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا ﴾ (آل عمران : ۱۹۳) "اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک منادی کو یہ پکارتے ہوئے سنا کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر' تو ہم ایمان لے آئے!" ـــــ یہ

صدیقین دعوتِ حق کو قبول کرنے میں ایک لحظہ بھر توقف و تامل نہیں کرتے بلکہ فوراً تصدیق کرتے ہیں۔ یہ ہے وہ تیسرا وصف جس کے حامل تمام صدیقین ہوتے ہیں اور اِن نفوس قدسیہ کی فطرت انبیاء کی فطرت سے بہت مشابہ ہوتی ہے۔ صِدّیقیت کے اس وصف کے لئے قرآن حکیم میں فرمایا گیا ﴿وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی﴾

حیاء اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے بدی اور برائی سے جو کراہیت اور حجاب رکھا ہے اسی جذبہ صادق کو دین کی اصطلاح میں حیاء کہا جاتا ہے۔ حیاء کا یہ جوہر ہر انسان کی فطرت میں فاطر کائنات کی طرف سے ودیعت شدہ ہے : ﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا﴾ چنانچہ برا کام کرنے پر انسان کا نفس لوامہ اسے ٹوکتا ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورۃ القیامہ کے آغاز میں قسم کھائی ہے : ﴿وَلَاۤ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ﴾ اسی کو ہم ضمیر کی خلش سے تعبیر کرتے ہیں —— نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ گناہ کی تعریف یوں فرمائی : ((اَلْاِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ)) (مسلم والترمذی) "گناہ وہ ہے جس سے تمہارے سینے میں خلجان پیدا ہو جائے اور تم اس کو ناپسند کرو کہ تمہارا وہ عمل لوگوں کے علم میں آجائے اور لوگ اس پر مطلع ہو جائیں" پس گناہ کے دو پہلو ہو گئے۔ پہلا یہ کہ اندر سے نفسِ لوّامہ ملامت کرے، سینہ بھنچے۔ دوسرا یہ کہ انسان اس کو ناپسند کرے کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اس نے کیسی غلط حرکت کی ہے۔ اسی احساس کا دوسرا نام حیاء ہے اور حیاء کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ : ((اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِيْمَانِ)) (متفق علیہ) "حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے"۔ اور ایک حدیث میں تو حیاء کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی سند موجود ہے کہ ((اَشَدُّهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ)) اور ((اَكْثَرُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ)) جو اکثر خطیب حضرات جمعہ کے خطبوں میں بیان کرتے ہیں۔ یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں حیاء کے باب میں حضرت عثمانؓ غنی سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور یہ متفق علیہ حدیث ہم نے

ابھی پڑھی ہے کہ ((اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِنَ الْاِیْمَانِ)) لہٰذا حضرت عثمانؓ کے بارے میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ: "کَامِلُ الْحَیَاءِ وَالْاِیْمَانِ" تو وہ صد فیصد درست ہے' کیونکہ جو حیاء میں کامل ہوگا وہ ایمان میں بھی کامل ہوگا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حیاء کے بارے میں مسلم شریف میں ایک واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبانی بیان ہوا ہے' وہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ میرے حجرے میں تشریف فرما تھے اور آپؐ ایک گدیلے پر بے تکلفی سے استراحت فرما رہے تھے [اپنے ذاتی حجرے میں جبکہ صرف اہلیہ موجود ہوں بے تکلفی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے' ہو سکتا ہے کہ حضورؐ کی ساق مبارک کھلی ہوئی ہو اور پورا جسم ڈھکا ہوا نہ ہو۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کو ہمارے اپنے گھروں کے کمروں پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہو گا۔ اُمہات المومنین کے حجروں کے طول و عرض کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ اتنا چھوٹا تھا کہ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنی ٹانگیں پھیلائے رکھیں اور حضورؐ نماز تہجد میں بآسانی سجدہ فرما لیں۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ اُم المومنین کی ٹانگیں اکثر مصلّٰی پر سجدے کی جگہ آ جاتی تھیں اور حضورؐ سجدے میں جاتے وقت یا تو اُم المومنین کے پیروں کو ٹھونکا دیتے یا پھر ایک طرف ہٹا دیتے ــــــ اسی چھوٹے سے حجرے میں نبی اکرم ﷺ استراحت فرما رہے ہیں' اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی موجود ہیں۔]

وہ روایت کرتی ہیں' اطلاع ملی کہ حضرت ابو بکرؓ تشریف لائے ہیں اور اِذن باریابی کے خواہاں ہیں۔ حضورؐ کی اجازت سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حجرے میں تشریف لائے اور حضورؐ جس حال میں استراحت فرما رہے تھے اسی طرح لیٹے رہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جو بات کرنی تھی کی اور واپس تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اطلاع ملی کہ عمر فاروقؓ ملاقات کے لئے حاضر ہوئے ہیں اور اِذن باریابی کے طالب ہیں۔ ان کو بھی اندر آنے کی اجازت مل گئی' وہ آئے' اور حضورؐ اسی طرح لیٹے رہے (حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے اوپر چادر ڈال کر ایک طرف پیٹھ پھیر لی)۔ وہ بھی اپنی بات کر کے رخصت ہو گئے ــــــ تیسری مرتبہ اطلاع دی گئی کہ حضرت عثمان غنیؓ بھی ملاقات کرنا

چاہتے ہیں۔ اس اطلاع کے بعد حضورؐ بستر پر اُٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست فرما لئے (تہبند سے ساق مبارک ڈھانک لی) اور ساتھ ہی مجھے (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو) حکم دیا کہ اپنے کپڑے خوب اچھی طرح اپنے جسم پر لپیٹ لو (اور پورا جسم ڈھانپ کر دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاؤ۔ یہ اہتمام کرنے کے بعد) حضرت عثمانؓ غنی کو اِذن باریابی ملا۔ وہ بھی حجرۂ مبارک میں حاضر ہوئے اور جو بات کرنی تھی کر کے رخصت ہوئے۔

(حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جانے کے بعد) میں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے آنے پر تو آپؐ نے کوئی خاص اہتمام نہیں فرمایا۔ یہ کیا خاص بات تھی کہ عثمان غنیؓ کے آنے پر آپؐ نے خود بھی کپڑوں کی درستگی کا خاص اہتمام فرمایا اور مجھے بھی ہدایت فرمائی کہ میں خوب اچھی طرح کپڑے لپیٹ لوں؟ جواب میں حضورؐ نے فرمایا کہ "اے عائشہ! عثمان انتہائی حیادار شخص ہیں۔ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ اگر میں اسی طرح بے تکلفی سے لیٹا رہا تو عثمانؓ اپنی فطری حیاء اور حجاب کی وجہ سے وہ بات نہیں کر سکیں گے جس کے لئے وہ آئے تھے اور ویسے ہی واپس چلے جائیں گے"۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا "عثمانؓ کی شخصیت تو وہ ہے کہ جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں' چنانچہ میں نے بھی ان سے حیاء کی ہے"۔ یہ واقعہ مسلم شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں مروی ہے :

اَنَّ اَبَابَكْرِ الصِّدِّيقَ اسْتَاْذَنَ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُضطَجِعٌ عَلٰى فِرَاشِهٖ لَابِسٌ مِرْطَ عَائِشَةَ ' فَاَذِنَ لِاَبِي بَكْرٍ وَهُوَ كَذٰلِكَ' فَقَضٰى اِلَيْهِ حَاجَتَهُ ثُمَّ انْصَرَفَ ' ثُمَّ اسْتَاْذَنَ عُمَرُ فَاَذِنَ لَهُ وَهُوَ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ ' فَقَضٰى اِلَيْهِ حَاجَتَهُ ثُمَّ انْصَرَفَ ' قَالَ عُثْمَانُ : ثُمَّ اسْتَاْذَنْتُ عَلَيْهِ فَجَلَسَ وَقَالَ لِعَائِشَةَ : اِجْمَعِي عَلَيْكِ ثِيَابَكِ ' فَقَضَيْتُ اِلَيْهِ حَاجَتِي ثُمَّ انْصَرَفْتُ ' فَقَالَتْ عَائِشَةُ : يَارَسُولَ اللّٰهِ' مَالِي لَمْ اَرَكَ فَزِعْتَ

لِاَبِی بَکْرٍ وَعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا کَمَا فَزِعْتَ لِعُثْمَانَ؟ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیہ وسلَّم : ((اِنَّ عُثْمَانَ رَجُلٌ حَیِیٌّ وَاِنِّی خَشِیتُ اِنْ اَذِنْتُ لَہٗ عَلٰی تِلْکَ الْحَالِ اَنْ لاَ یَبْلُغَ اِلَیَّ فِی حَاجَتِہٖ))

یہ ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حیا کا معاملہ! پھر حضرت عثمانؓ خود فرماتے ہیں کہ جس روز سے میں نے ایمان قبول کیا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی ہے اس کے بعد سے میں نے نہ کبھی گانا گایا ہے اور نہ گانے کی تمنا کی ہے' اور پھر یہ کہ اس بیعت کے بعد اپنے داہنے ہاتھ کو' جو بیعت کے لئے حضورؐ کے دست مبارک میں دیا گیا تھا' کبھی اپنی شرمگاہ سے مس نہیں کیا"۔ حضرت عثمانؓ کے الفاظ یہ ہیں: مَا تَغَنَّیْتُ وَمَا تَمَنَّیْتُ وَلاَ مَسَسْتُ ذَکَرِی بِیَمِیِنی مُنْذُ بَایَعْتُ بِھَا رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلَّم!

حضرت عثمانؓ کے تقویٰ کے چند مزید احوال

منقول ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں پورا قرآن شریف یاد کر لیا تھا اور کبھی کبھی رات کو نوافل میں پورا قرآن مجید پڑھا کرتے۔ صحیحین میں روایت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے وضو کا طریقہ بالکل رسول اللہ ﷺ کے وضو سے مشابہہ ہوتا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی لونڈی نے اور زبیر بن عبداللہ نے اپنی دادی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ صائم الدھر اور قائم اللیل تھے۔ صرف اول شب تھوڑی دیر کے لئے سوتے تھے۔ امام دار الہجرت امام مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ حج اور عمرے میں سب سے بازی لے گئے تھے اور یہ کہ آپ اپنے ہمسروں میں صلہ رحمی میں سب سے بڑھ کر تھے۔

مشکوٰۃ میں روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی اشکوں سے تر ہو جاتی۔ لوگوں نے دریافت کیا : کیا وجہ ہے کہ آپ جنت و دوزخ کے ذکر سے اتنے اشکبار نہیں ہوتے جتنا کہ قبر کے ذکر پر ہوتے ہیں۔ آپؓ نے جواب میں کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے :

((اَلْقَبْرُ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِن مَنَازِلِ الْاٰخِرَةِ ' فَاِنْ نَجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ اَيْسَرُ مِنْهُ وَاِنْ لَمْ يَنْجِ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ اَشَدُّ مِنْهُ)) (رواہ الترمذی)

"قبر آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے۔ اگر کوئی اس سے نجات پا گیا تو اس کے بعد کے مراحل اس کے لئے آسان تر ہوں گے' اور اگر اس سے نجات نہ پائی تو اس کے بعد اس سے بھی زیادہ سختی ہے"۔

ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا :

((مَا رَاَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ اِلاَّ الْقَبْرَ اَفْظَعَ مِنْهُ))

"میں نے قبر سے زیادہ کسی مقام کو ہیبت ناک نہیں دیکھا"۔

یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ

"اگر میں دوزخ و جنت کے درمیان ہوں اور مجھے معلوم نہ ہو کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہو گا' میرے لئے ان میں سے کس کا حکم دیا جائے گا' تو میں اس کا حال معلوم کرنے سے قبل راکھ ہو جانے کو پسند کروں گا"۔

ان چند واقعات سے اندازہ کر لیجئے کہ جس کے اِعطاء' تقویٰ اور حیاء کا یہ عالم ہو تو اس کی فضیلت و منقبت کا کیا کہنا! رضی اللّٰہ تعالٰی عنه وارضاہ۔

تصدیق بالحسنٰی

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى﴾ کی پوری شان نظر آرہی ہے۔ رہا تصدیق بالحسنٰی کا معاملہ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ "السَّابِقُون الاوَّلُون" میں شامل ہیں اور بعض لوگوں کے نزدیک ایمان لانے والوں میں ان کا پانچواں یا چھٹا نمبر ہے۔ گویا آپ رضی اللہ عنہ اصحاب عشرہ مبشرہ میں سے حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح' حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف' حضرت زبیرؓ بن العوام' حضرت سعیدؓ بن زید' حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے بھی قبل دولت ایمان سے مشرف ہو چکے تھے۔

تو یہ ہیں صدیقیت کے وہ اوصاف ثلاثہ جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت مبارکہ

میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

صدّیقیت و شہادت کے دو نور

سورۃ الحدید کی محولہ بالا آیات میں صدقہ کرنے والے اور اللہ کے دین کے لئے قرض حسن دینے والے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کے لئے جہاں اجر عظیم کی نوید سنائی گئی ہے' وہاں ان کو صدیقین و شہداء کے زمرے میں شامل ہونے کا مژدہ بھی سنایا گیا اور ان کو یہ بشارت بھی دی گئی ہے کہ ان کا اجر اور ان کا نور ان کے رب کے پاس محفوظ ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت میں صدیقیت کے اوصاف بھی موجود ہیں اور پھر وہ شہادت عظمیٰ پر فائز ہوئے ہیں۔ گویا ان کی شخصیت میں صدیقیت اور شہادت کے دونوں نور موجود ہیں۔ اس اعتبار سے بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شخصیت ذوالنورین کے معزز لقب کی صحیح مصداق نظر آتی ہے۔

رسولوں کے باب میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ ان کو اللہ کی طرف سے ایک خاص تحفظ حاصل ہوتا ہے اور وہ مقتول نہیں ہوتے۔ چونکہ عالم ظاہری میں اس طرح رسولوں کے مغلوب ہونے کا پہلو نکلتا ہے اور مغلوبیت رسول کے شایان شان نہیں' لہٰذا اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ: ﴿لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ﴾ "لازماً میں اور میرے رسول غالب رہیں گے" ـــــ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راہ حق میں شہادت کا بڑا اشتیاق تھا۔ چنانچہ کتب احادیث میں آنحضور ﷺ کی یہ دعائیں منقول ہوئی ہیں: اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ شَھَادَۃً فِی سَبِیلِکَ ـــــ اور اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِی سَبِیلِکَ ـــــ مزید برآں نبی کریم ﷺ کا یہ قول بھی احادیث میں موجود ہے:

((وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوَدِدْتُ اَنْ اَغْزُوَ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ فَاُقْتَلَ ' ثُمَّ اَغْزُوَ فَاُقْتَلَ ' ثُمَّ اَغْزُوَ فَاُقْتَلَ)) (متفق علیہ)

"میری یہ آرزو ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جنگ کروں اور قتل کر دیا جاؤں' (پھر مجھے زندہ کیا جائے اور) میں پھر اللہ کی راہ میں جنگ کروں اور قتل کر دیا جاؤں۔

(پھر مجھے زندہ کیا جائے اور) میں پھر اللہ کی راہ میں جنگ کروں اور قتل کر دیا جاؤں)۔"

لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا' رسولوں کے باب میں اللہ کی سنت یہ ہے کہ رسول کبھی قتل نہیں ہوتے' کیونکہ اس میں ظاہری طور پر رسول کے مغلوب ہونے کا پہلو نکلتا ہے۔ البتہ انبیائے کرام قتل بھی ہوئے ہیں' جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے سانحہ قتل سے ہر مسلمان واقف ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے باب میں بھی اللہ کی وہی سنت کارفرما نظر آتی ہے جو رسولوں سے متعلق ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ جو صدیقیت کبریٰ کے مقام پر فائز ہیں طبعی طور پر وفات پاتے ہیں' جبکہ مابعد کے تینوں خلفاء راشدین حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان غنی اور حضرت علی حیدر کرار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مرتبہ شہادت سے سرفراز کیے جاتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ ان تینوں خلفاء کی شہادت کی پیشگی خبر دے چکے تھے۔ وہ حدیث تو بہت مشہور ہے کہ ایک روز نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر' حضرت عمر' اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ کوہ اُحد پر تشریف لے گئے تو کوہ اُحد کانپنے اور لرزنے لگا۔ حضورؐ نے اپنے پائے مبارک سے اُحد کو ٹھونکا دیتے ہوئے فرمایا کہ "اے اُحد تھم جا' رک جا' اِس وقت تیری پیٹھ پر ایک نبی' ایک صدیق' اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں"۔ (متفق علیہ)

"ذُوالنُّورین" کی مصداق چند دیگر فضیلتیں

اب ہم اس پہلو سے جائزہ لیتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت میں اسلام و ایمان کے ساتھ تعلق کی وجہ سے ایثار و قربانی کی اور کیا کیا فضیلتیں ہیں جن پر ذوالنورین کا معزز لقب صادق آتا ہے۔

i) ذُوہجرتوں کا شرف : کتب احادیث میں منقول ہے کہ حبشہ کی طرف سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ آپ کے ساتھ آپؓ کی زوجہ محترمہ' رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ اس ہجرت کے متعلق نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد (شوہرو

بیوی ایک ساتھ) ہجرت کرنے والا یہ پہلا جوڑا ہے۔ یہ روایت امام حاکمؒ نے اپنی مستدرک میں عبد الرحمٰن بن اسحاق بن سعد سے روایت کی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے لوط علیہ السلام کے بعد اپنی اہلیہ کے ساتھ ہجرت کی ہے"۔ اس سے غالباً جوانی کے عالم میں میاں بیوی کا ہجرت کرنا مراد ہے۔ آپؓ کی دوسری ہجرت مدینۃ النبی کی طرف ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو راہ حق میں ھجرتین کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس لحاظ سے بھی آپؓ ذوالنورین کے لقب کے مصداق قرار پاسکتے ہیں۔

ii) <u>ذوالقرنین اور اصحاب کہف سے مماثلت</u> : جن حضرات نے سورۂ کہف کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اس کے دوسرے رکوع میں اصحاب کہف کا واقعہ بیان ہوا ہے اور سورہ کے آخری رکوع سے ما قبل حضرت ذوالقرنین کی فتوحات کے تذکرے کے ساتھ ہی ان کی سیرت میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے اوصاف کو نمایاں کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب ذوالقرنین ایک خدا پرست، خدا ترس اور نیک بادشاہ تھے۔ قرآن شہادت دیتا ہے کہ ﴿اِنَّا مَکَّنَّا لَہٗ فِی الْاَرْضِ وَاٰتَیْنٰہُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا٥﴾ واقعہ یہ ہے کہ وہ اُس دور کی ایک عظیم ترین سلطنت کے شہنشاہ تھے۔ اصحابِ کہف کون تھے؟ ازروئے قرآن یہ وہ نوجوان تھے جو ایک مشرکانہ ماحول اور مشرک بادشاہ کے دور میں توحید کے ساتھ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے، جس کی وجہ سے ان کی جان کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا اور وہ نوجوان اپنا ایمان اور اپنی جان بچانے کے لئے ایک پہاڑ کی کھوہ میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور ہو گئے تھے۔

ان دونوں واقعات سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ انتہائی حالات ہیں جن سے اس دنیا میں اہل ایمان کو سابقہ پیش آسکتا ہے۔ اصحاب کہف جیسے حالات بھی پیدا ہو سکتے ہیں کہ جن میں ایمان اور جان بچانے کے لئے کہیں پناہ گزیں ہونا پڑے اور حضرت ذوالقرنین کی طرح یہ صورت حال بھی پیش آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اپنے فضل سے سطوت، شان و شوکت اور ایک عظیم سلطنت سے نوازے۔ اب آپ خلافت راشدہ کی تاریخ میں دیکھئے کہ خلفائے راشدین میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات میں یہ دونوں

شانیں اور کیفیات مجتمع نظر آئیں گی۔ حضرت عثمانؓ کی سطوت، حکومت اور سلطنت وسعت کے اعتبار سے حضرت ذوالقرنین کی سلطنت و حکومت سے سہ چند تھی۔ تاریخی لحاظ سے حضرت ذوالقرنین کی سلطنت کی حدودِ مکران سے لے کر بحیرۂ روم کے ساحل تک تھیں۔ اس میں دارا اول کے دَور میں مزید وسعت ہوئی، لیکن اس سلطنت کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں اسلامی مملکت کی حدود سے کوئی تقابل نہیں ہے۔ پورا جزیرہ نمائے عرب، پھر حضرت ذوالقرنین کی سلطنت کی جو مشرقی سرحد تھی، اس سے لے کر تا بخاک کاشغر کا علاقہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں اسلام کے پرچم تلے تھا۔ اس کے علاوہ پورا شمالی افریقہ مصر سے لے کر مراکش تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زیر نگیں تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں صرف مصر اسلامی مملکت میں شامل ہوا تھا لیکن حضرت عثمانؓ کی حدودِ سلطنت ماوراء النہر کو پھاند کر بلخ و بخارا اور کاشغر و تاشقند تک وسیع ہو چکی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عثمانؓ اصحاب کہف جیسی حالت سے بھی دوچار ہوئے اور آپؓ فتنہ کے زمانے میں باغیوں کی دست درازیوں کی وجہ سے چالیس دن رات سے بھی زیادہ عرصہ اپنے گھر میں اس حال میں محصور رہے کہ پینے کے لئے پانی تک موجود نہیں ـــــ یہ دونوں شانیں کہ حضرت ذوالقرنین سے سہ چند سطوت و سلطنت اور اصحاب کہف کی طرح محصوری و پناہ گزینی، حضرت عثمانؓ کی زندگی میں جو نظر آتی ہیں، ان کو بھی ہم ذوالنورین کے لقب کا مصداق قرار دے سکتے ہیں۔

iii) <u>غزوۂ بدر اور حدیبیہ میں آپؓ کا موجود تصور کیا جانا</u> : حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی میں دو ایسے مواقع بھی پیش آئے کہ آپ رضی اللہ عنہ ذاتی حیثیت سے موجود نہیں ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے موجود قرار دیئے جاتے ہیں ـــــ پہلا واقعہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر پیش آیا۔ اُس وقت حضرت رقیہؓ کافی علیل تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت عثمانؓ کو اپنی صاحبزادی کی تیمارداری کے لئے مدینہ میں چھوڑ دیا تھا، اور فرمایا تھا کہ آپ کو بدر کی شرکت کا ثواب اور اس کا حصہ ملے گا۔ مزید برآں صحیح روایات میں مذکور ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد، جس میں اللہ تعالیٰ نے تین سو تیرہ بے سروسامان مسلمانوں کے جتھے کو

کفار کے ایک ہزار کے مسلح لشکر جرار پر فتح عنایت فرمائی تھی، جس کے نتیجہ میں ابو جہل سمیت ستر صنادید عرب کا فر کھیت رہے تھے اور قریش کا سارا غرور اللہ تعالیٰ نے خاک میں ملا دیا تھا اور جس میں ستر کے قریب کفار مسلمانوں کی قید میں آئے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے غنائم میں سے حضرت عثمانؓ کو وہی حصہ مرحمت فرمایا جو دوسرے بدری صحابہؓ کو مرحمت کیا گیا تھا۔ گویا حضرت عثمانؓ کو اس غزوے میں مجازی طور پر شریک قرار دیا جبکہ حقیقی طور پر وہ شریک نہیں تھے۔

دوسرا واقعہ حدیبیہ کے موقع پر پیش آیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ ۶ھ میں نبی اکرم ﷺ عمرے کی نیت سے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مکہ روانہ ہوئے۔ اثنائے سفر میں معلوم ہوا کہ قریش مکہ مرنے مارنے پر تلے ہوئے ہیں اور انہوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ چاہے خون کی ندیاں بہہ جائیں، وہ مسلمانوں کو عمرہ نہیں کرنے دیں گے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا۔ ضرورت محسوس ہوئی کہ قریش مکہ کے پاس سفارت بھیجی جائے جو ان کو سمجھا سکے کہ مسلمان لڑائی کی غرض سے نہیں آئے ہیں اور ان کا مقصد صرف عمرہ ادا کرنا ہے، نیز ان مسلمانوں کو بھی تسکین دے سکے جو مکہ میں محصوری کے عالم میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور کفارِ مکہ کے جور و ستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ اس سفارت کے لئے نبی اکرم ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا اور ان کو قریش مکہ سے سلسلہ جنبانی کرنے اور ان مسلمانوں کو جو مکہ میں قریش کی قید میں تھے، تسلی دینے کے لئے مکہ روانہ فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ انتخاب حضرت عثمانؓ کی بہت سی فضیلتوں کی دلیل ہے۔ پہلی یہ کہ حضرت عثمانؓ حضورؐ کے معتمد علیہ اصحاب میں شامل ہیں۔ دوسری یہ کہ حضرت عثمانؓ قریش کے نزدیک بھی معزز ترین اشخاص میں شمار ہوتے تھے۔ تیسری یہ کہ جب حضرت عثمانؓ مکہ چلے گئے تو اصحاب رسولؐ میں سے چند ایک نے یہ کہا کہ عثمانؓ کو خانہ کعبہ کا طواف مبارک ہو۔ حضورؐ نے یہ بات سنی تو فرمایا کہ "مجھے یقین ہے کہ اگر عثمانؓ مکہ میں زمانۂ دراز تک رہیں تو بھی وہ اُس وقت تک طواف نہیں کریں گے جب تک میں طواف نہ کر لوں"۔ اللہ! اللہ! کتنا اعتماد تھا حضورؐ کو جناب عثمانؓ پر ــــــ اور ہوا بھی یہی کہ

حضرت عثمانؓ کے چچا زاد بھائی ابان بن سعید بن عاص نے ان کو مکّہ میں اپنی پناہ میں لے لیا، اور ان کو دعوت دی کہ وہ طواف کرلیں۔ لیکن اِس محب رسولؐ نے کہا کہ "جب تک نبی اکرم ﷺ طواف نہیں کرلیں گے میں طواف نہیں کرسکتا"۔ چوتھی یہ کہ جب یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمانؓ کو مکّہ والوں نے شہید کرڈالا ہے، تو حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کے قصاص کے لئے تمام صحابہ کرام سے بیعت لی، جن کی تعداد مختلف روایات کے مطابق ۱۴۰۰ سے لے کر ۲۴۰۰ تک بیان ہوئی ہے اور جو "بیعت رضوان" کے نام سے مشہور ہے۔ نیز جس کے متعلق سورۃ الفتح میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا۝﴾ "(اے نبیؐ) بے شک اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کررہے تھے، ان کے دلوں کا حال اُس کو (یعنی اللہ کو) معلوم تھا۔ اُس نے ان پر سکینت نازل فرمائی اور ان کو انعام میں فتح قریب بخشی"۔

غور کیجئے خون عثمانؓ کی حضورؐ کی نگاہ میں اتنی قدر و منزلت اور وقعت تھی کہ حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص لینے کے لئے نبی اکرم ﷺ اپنے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لیتے ہیں ــــــ یہی وہ دوسرا موقع ہے جس میں حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کے حقیقی طور پر موجود نہ ہونے کو بھی مجازی طور پر موجود قرار دیا۔ چنانچہ "بیعت رضوان" کے موقع پر حضورؐ نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھا کر فرمایا کہ "یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے" اور بایاں ہاتھ اٹھا کر فرمایا کہ "یہ میرا ہاتھ ہے" اور یہ فرما کر اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ "یہ عثمانؓ کی طرف سے (اگر وہ زندہ ہیں) بیعت ہے"۔ یہ حضرت عثمانؓ کی بہت بڑی فضیلت ہے کہ وہ موجود نہ ہوتے ہوئے بھی "بیعت رضوان" میں داخل ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ "حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کو مکّہ اس لئے روانہ کیا تھا کہ مکّہ والوں کے نزدیک آپؓ سے زیادہ کوئی صاحب عزت نہ تھا۔ بیعت رضوان آپؓ کے قتل کی خبر پھیلنے کے بعد ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کی طرف اشارہ فرمایا اور اسے دوسرے پر ہاتھ مار کر ارشاد فرمایا کہ یہ عثمانؓ کی بیعت ہے"۔

اللہ! اللہ! خون عثمانؓ کے قصاص کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تقریباً

۲۴۰۰ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بیعت لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس بیعت پر اپنی خوشنودی اور رضامندی کا اظہار فرماتا ہے۔ اس کے بعد بھی حضرت عثمانؓ کی فضیلت میں کوئی شک کرے' ان کی تنقیص کرے' ان پر اعتراضات و اتہامات وارد کرے اور ان کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محاسبہ کا جواب بھی سوچ لے۔

غزوۂ بدر اور حدیبیہ دونوں مواقع پر اگرچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حقیقی طور پر موجود نہیں ہیں لیکن حضور ﷺ ان کو مجازی طور پر موجود قرار دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی "ذوالنورین" کا لقب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بالکل راست آتا ہے!

iv) <u>دورِ فاروقی اور دورِ علوی کی جھلک</u> : حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت عمر فاروق اور حضرت علی حیدر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ادوارِ خلافت کے رنگ بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہ دونوں اصحاب رسولؐ نہ صرف عشرۂ مبشرہ میں بلکہ مسلمہ طور پر خلفائے راشدین میں شامل ہیں' اور فضیلت کے لحاظ سے پوری امت میں حضرت عمر فاروقؓ دوسرے نمبر پر اور حضرت علی حیدرؓ چوتھے نمبر پر فائز ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مراحل سے گزر کر تیئس سالہ جاں گسل جدوجہد اور محنت شاقہ کے بعد اپنی بعثت کے اس امتیازی مقصد کی تکمیل فرمادی' جو خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے آپؐ کا فرض منصبی تھا' اور جو قرآن حکیم میں تین مرتبہ بایں الفاظ میں بیان ہوا ہے : ﴿هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ "وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنا رسول الہدیٰ اور دین حق دے کر تاکہ اسے غالب کر دے کل جنس دین پر"۔ چنانچہ آنحضور ﷺ کی حیات طیبہ میں جزیرہ نمائے عرب میں اللہ کا دین بہ تمام و کمال قائم ہو گیا اور ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ کی شان بالفعل نظر آنے لگی اور ﴿وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا﴾ کے مصداق اللہ ہی کا کلمہ سب سے بلند و بالا ہو گیا۔

ختم المرتبت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد' جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں' عرب میں اسلامی انقلاب کے خلاف ایک شدید ردعمل پیدا ہوا۔ چنانچہ بہت سے جھوٹے

مدعیانِ نبوت کھڑے ہو گئے' چند قبائل مرتد ہو گئے' بعض مضبوط قبائل نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان تمام فتنوں کو فرو کیا۔ دراصل صدیق کا مقام ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ رسول کے کام کو مستحکم کرتا ہے' معاندین کی قوت کو کچلتا ہے اور ہر ردِ عمل کو ختم کرتا ہے۔ چنانچہ صدیق اکبر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ڈھائی سالہ دورِ خلافت اسی شان کا مظہر نظر آتا ہے۔ اس کام کی تکمیل کے بعد وہ بھی رخصت ہو گئے۔

اِس کے بعد دورِ فاروقی شروع ہوتا ہے' جس کو ایک جملہ میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ باغ اپنی پوری بہار پر آ گیا ـــــ حقیقت یہ ہے کہ خلافتِ راشدہ دورِ فاروقی میں اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ اس دور میں داخلی استحکام کے ساتھ فتوحات کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ اسلامی سلطنت میں اصل توسیع دورِ فاروقی میں ہوئی ہے۔ سلطنت کسریٰ کا نام و نشان اسی دور میں صفحۂ ہستی سے محو ہوا اور وہ ایک داستان پارینہ بن کر رہ گئی۔ سلطنت روما کی بھی ایک ٹانگ اسی دور میں ٹوٹ چکی تھی۔ قیصر روم کا تین برِّاعظموں مغربی ایشیا' یورپ اور شمالی افریقہ کے اکثر حصہ پر تسلط تھا' اس میں سے مغربی ایشیا کی حد تک روما کی سلطنت کا اسی دَور میں خاتمہ ہوا ـــــ اور پھر دورِ عثمانی میں اسلامی سلطنت کی سرحدیں ماوراء النہر تک پھیل گئی گئیں۔ ذرا تصور کیجئے کہ اُس وقت کا لیبیا' تیونس' الجزائر' اور مراکش حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام کے پرچم تلے آ چکا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے بارے میں لوگوں کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی گئی ہے کہ شاید یہ فتنہ اور فساد ہی کا دور تھا ـــــ یہ بہت بڑا مغالطہ' بلکہ صریح بہتان و افترا ہے۔ خلفائے اربعہ میں سے سب سے زیادہ طویل دورِ خلافت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا دور تقریباً ڈھائی سال رہا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور تقریباً دس سال رہا' حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور تقریباً پونے پانچ سال اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور تقریباً بارہ سال رہا۔ خلافت عثمانیہ کے اس بارہ سالہ طویل دَور میں فاروقی اور علوی دورِ خلافت کے دونوں رنگ موجود ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے پہلے آٹھ سال میں امن و امان اور دبدبہ کا وہی رنگ رہا ہے جو دورِ فاروقی میں نظر آتا ہے۔ اِن آٹھ سالوں میں وہی عدل و انصاف اور داخلی استحکام کی وہی کیفیت ہے جو دورِ فاروقی کا طرۂ امتیاز رہی ہے۔ ساتھ ہی

ساتھ مجاہدین اسلام کے قدم آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد دشمنان اسلام نے یہ سمجھا تھا کہ شاید اسلامی حکومت قائم نہ رہ سکے گی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی شہادت کے فوراً بعد بعض مفتوحہ، خاص طور پر ایران کے اکثر علاقوں میں شورشیں اور بغاوتیں شروع ہوئیں، لیکن حضرت عثمان غنیؓ نے ان میں سے ایک ایک کو فرو کر دیا اور حالات پر پوری طرح قابو پا لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبے کے لئے نئے نئے اقدامات کئے۔ بحراوقیانوس کے ساحل تک شمالی افریقہ فتح ہو گیا، یہ جنگ، جنگ عبادلہ کہلاتی ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن سعد بن ابی شرح اس مہم کے کمانڈر انچیف تھے اور اس میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی شریک تھے۔ اسی جنگ کے نتیجے میں پورے شمالی افریقہ کی قسمت بدل گئی اور سلطنت روما کا جھنڈا وہاں سرنگوں ہو گیا اور دین مبین کا پرچم لہرانے لگا۔

عثمانی خلافت کے آخری چار سال حضرت علیؓ کے دورِ خلافت کے مماثل نظر آتے ہیں۔ خلافت عثمانی میں یہودیوں اور عجمیوں کی سازشوں نے سر اٹھانا شروع کیا اور اس فتنے کے نتیجے ہی میں شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا سانحہ فاجعہ ظہور پذیر ہوا اور یہ فتنہ حضرت علی حیدر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اپنے عروج پر پہنچا۔ علوی خلافت کے تقریباً پونے پانچ سال اسی فتنہ و فساد اور خانہ جنگی کی نذر ہوئے اور اسی دور میں جنگ جمل اور جنگ صفین ظہور پذیر ہوئیں اور بالآخر اسی فتنہ نے چوتھے خلیفہ راشد حضرت علیؓ کی شمع حیات گل کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ کے دور میں غلبہ دین کی سمت ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا، نہ اسلامی سلطنت کی سرحدیں آگے پھیلیں ـــــ بہرحال یہاں یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ عثمانی دورِ خلافت میں دورِ فاروقی اور دورِ علوی دونوں کی کیفیات جمع ہیں۔ پہلے آٹھ سال دورِ فاروقی کا کامل عکس نظر آتے ہیں جبکہ آخری چار سال وہ ہیں جن میں دشمنان اسلام کی ریشہ دوانیوں نے سر اٹھانا شروع کیا تھا، جس کے نتیجے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انتہائی مظلومی کی حالت میں شہید کئے گئے اور جو دورِ خلافت علوی میں ایک ہولناک فتنے کی شکل

میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا۔ چنانچہ مسلمان آپس ہی میں دست و گریبان ہو گئے اور چوراسی ہزار کلمہ گو ایک دوسرے کے ہاتھوں تہ تیغ ہوئے۔ کفار کے ساتھ اِس دَور میں جنگ و قتال کا کوئی معرکہ پیش نہیں آیا۔ اس فتنہ اور سازش کے اسباب کچھ اختصار کے ساتھ آگے بیان ہوں گے 'یہاں صرف اتنا سمجھ لیجئے کہ ایسے فتنوں کے کچھ ظاہری اسباب ہوتے ہیں جو نظروں کے سامنے ہوتے ہیں اور کچھ مخفی اور باطنی اسباب ہوتے ہیں جو نظر تو نہیں آتے لیکن فیصلہ کن کردار یہی مخفی و باطنی اسباب ادا کرتے ہیں۔

اس ضمن میں یہ بات پیش نظر رہنی ضروری ہے کہ علوی دورِ خلافت میں جو بدامنی' خانہ جنگی اور مسلمانوں کے مابین خون ریزی ہوئی تو حاشا وکلا اس کا کوئی الزام ہم امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی پر نہیں لگاتے۔ یہ جسارت ہم کیسے کر سکتے ہیں؟ پوری اُمت مسلمہ کے نزدیک حضرت علیؓ چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔ وہ فضیلت کے اعتبار سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں چوتھے نمبر پر ہیں۔ گویا ہم ابوبکر صدیق 'عمر فاروق' اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بعد سب سے زیادہ افضل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مانتے ہیں۔ اس فتنہ و فساد میں ان کی کوئی کمزوری شامل نہیں تھی' وہ برحق خلیفہ راشد تھے۔ صورتحال یہ تھی کہ سازش کی آگ اس طرح بھڑکا دی گئی تھی کہ نہ حضرت عثمانؓ اس کو فرو کر سکے اور نہ ہی حضرت علیؓ۔ اگر حضرت علیؓ فتنہ و فساد فرو نہ کر سکے تو اس کا ذرہ بھر الزام بھی حضرت علیؓ کی ذات گرامی پر نہیں آتا۔ بالکل یہی بات حضرت عثمانؓ پر بھی راست آتی ہے۔ اگر وہ فتنہ کو فرو نہ کر سکے تو کتنا بڑا ظلم ہے کہ سارا الزام آپؓ پر رکھ دیا جائے۔ کیسا تضاد ہے کہ ایک خلیفہ کے زمانے میں پورا دورِ خلافت فتنہ و فساد کی نذر ہو گیا اور وہ فتنہ اتنا شدید تھا کہ وہ حالات پر قابو نہ پا سکے اور فتنہ کو فرو نہ کر سکے تب بھی وہ سب کی نگاہ میں شیرِ خدا ہیں اور کسی دوسرے کے دور میں جبکہ ان کا دو تہائی دور' دورِ فاروقی کے مثل ہو اور صرف ایک تہائی دور میں فتنہ و فساد سر اٹھائے تو ان کے بارے میں یہ حکم لگایا جائے کہ وہ کمزور تھے' ان میں فلاں نقص تھا یا فلاں کمی تھی وغیرہ ــــــ انسان ذرا بھی سوچے اور انصاف بینی سے کام لے تو فکر کا یہ تضاد بالکل مبرہن ہو کر سامنے آ جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کے طرزِ فکر پر انتہائی

ملال اور افسوس ہوتا ہے جو کیسی کیسی بے بنیاد باتوں کو بنیاد بنا کر حضرت عثمانؓ سے سوئے ظن پیدا کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں پر رحم آتا ہے جو ان پر اعتبار کر کے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے متعلق اپنی رائے کو مجروح کر لیتے ہیں اور اپنی آخرت کو برباد کرتے ہیں۔

ذُوالنّورینؓ کے خلاف اعتراضات کی حقیقت

آپ کو شاید معلوم ہو کہ معاندین عثمانؓ نے دورِ عثمانی ہی میں حضرت عثمانؓ پر مسجد نبوی میں صحابہؓ اور تابعین کے بھرے مجمع میں بارہ الزامات اور اعتراضات عائد کئے تھے' جن کی صفائی حضرت عثمانؓ نے اسی مجمع میں پیش کر دی تھی' جس کی تصویب و تائید خود حضرت علیؓ اور دیگر اکابر و اعاظم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کی تھی۔ مفسدین نے بعد میں جب یورش کر کے مدینہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تو اس موقع پر حضرت علیؓ نے باغیوں کے ایک گروہ سے پوچھا کہ آخر ان کو خلیفہ وقت اور امیرالمومنین سے کیا شکایت ہے؟ ان لوگوں نے ان ہی بارہ اعتراضات کا اعادہ کر دیا' جن کی صفائی حضرت عثمانؓ ایک بھرے مجمع میں کر چکے تھے اور دوسرے اکابر صحابہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ بھی اس کی تصویب و تائید اور توثیق کر چکے تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے اس موقع پر بھی اس گروہ کے سامنے حضرت عثمانؓ کی طرف سے پیش کردہ صفائی اپنی تصویب کے ساتھ پیش کر دی اور ان کے عائد کردہ تمام الزامات و اعتراضات سے حضرت عثمانؓ کو بری قرار دیا ـــــ یہ اور بات ہے کہ مفتریوں کے ارادے ہی خراب تھے۔ اس لئے انہوں نے حضرت علیؓ کی تصویب و تائید کو تسلیم نہیں کیا۔ لیکن حیرت کی بات تو یہ ہے کہ عصر حاضر کے ایک صاحب علم اور صاحب قلم' جنہوں نے دین کی خدمت میں کافی مفید کام کئے ہیں اور جن کا بلاشبہ چوٹی کے اہل فکر علماء میں شمار ہوتا ہے' اپنی ایک کتاب میں ان ہی بارہ الزامات و اعتراضات کو بیان کرتے ہوئے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پر ایسی تنقید کی ہے جس سے صریح طور پر آپؓ کی تنقیص ہوتی ہے اور آپؓ کے خلاف سوئے ظن پیدا ہوتا ہے۔ اسی کتاب کے ایک باب میں حضرت عثمان کے علاوہ حضرت امیر معاویہ اور

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم پر بھی دل آزار تنقید کی گئی ہے ' جس سے مسلمانان پاک و ہند کے قلوب انتہائی مجروح ہوئے ہیں اور "اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے" والا معاملہ پیش آیا ہے۔ چنانچہ اس پر ایک گروہ کی طرف سے تو خوشنودی کے ڈونگرے برسائے گئے اور بغلیں بجائی گئیں کہ دیکھ لو ' یہ "سنی" بھی وہی کچھ کہہ رہے ہیں جو ہم کہتے آئے ہیں۔ پھر سنی بھی کس پائے کے! وہ جو مفکر اسلام اور مفسر قرآن ہیں ـــــ یہ در حقیقت ہماری بد قسمتی اور شامت اعمال ہے۔

ویسے اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ زندہ میں سے مُردہ اور مُردے میں سے زندہ برآمد کرتا ہے اور شر میں سے خیر نکال لاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دل آزار کتاب کے نتیجے میں تاریخی لٹریچر میں بالخصوص بہت سی مفید کتابوں کا اضافہ ہوا۔ ہمارے ہاں تحقیق و تعمق کے کام میں عرصہ سے جو تعطل و جمود تھا ' وہ ٹوٹا۔ چنانچہ تاریخ کو از سر نو کھنگالا گیا ' اور اس کتاب میں حضرت عثمان ' حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پاک سیرتوں کو داغدار کرنے کی جو کوشش کی گئی تھی ' اس کا ازالہ کیا گیا۔ اسی سلسلہ کی ایک کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر مرزا محمد منور صاحب نے "میثاق" میں ایک بڑا پیارا جملہ لکھا تھا کہ : "حضرت عثمانؓ پر لگائے ہوئے الزامات و اعتراضات کا اعادہ کر کے اپنی تنقید کی تعمیر کی بنیاد قائم کرنے والے ان مشہور مصنف کے نزدیک شاید حضرت علیؓ کی حیثیت (نعوذ باللہ) کرائے کے وکیل کی تھی ' جنہوں نے غالباً فیس لے کر حضرت عثمانؓ کی مدافعت کی تھی...."

سوچنے کا مقام ہے کہ جن اعتراضات و الزامات کی صفائی کی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوری دیانت داری سے تصویب و توثیق کی ہو ' کیونکہ آپؓ کی امانت و دیانت ہمارے نزدیک مسلم ہے ' تو پھر چودہ سو سال بعد بلوائیوں کے الزامات کا اعادہ کرنا کیا حضرت علیؓ کی بھی تنقیص نہیں ہوگی؟ کیا اس طرح ان کی امانت و دیانت مجروح نہیں ہوگی اور اُن کی ذات پر حرف نہیں آئے گا؟ اللہ شرورِ نفس سے بچائے ' ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اچھے اچھے معقول لوگ کیسی کیسی ٹھوکریں کھاتے ہیں ـــــ یہ اسی کتاب کی تنقیدوں کا شاخسانہ ہے کہ اس سے متاثر ہو کر ہمارے کتنے ہی سُنّی بھائی حضرت عثمانؓ سے سوئے ظن میں مبتلا ہو

گئے ہیں اور کتنے ہی ہیں جو حضرت امیر معاویہؓ اور فاتح مصر حضرت عمروؓ بن العاص کے نام ادب سے نہیں لے سکتے بلکہ ان کی شان میں گستاخانہ اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ ذہنوں کو اتنا مسموم کر دیا گیا ہے کہ خود سنیوں کے ایک گروہ میں' چاہے وہ تعداد کے لحاظ سے قلیل ہی کیوں نہ ہو' ان تینوں جلیل القدر صحابہؓ کے علاوہ بہت سے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف سوئے ظن پیدا ہو گیا ہے' جن میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا' حواری رسولؐ حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت طلحہؓ بھی شامل ہیں۔

صحابہؓ پر تنقید آنحضورؐ کی تنقیص ہے

اِس موقع پر یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اگر کوئی شخص صحابہ کرامؓ اور بالخصوص خلفائے راشدین' عشرۂ مبشرہ' اصحاب بدر' اور اصحاب بیعت رضوان (رضی اللہ عنہم) پر تنقید کرتا ہے' ان کی تنقیص کرتا ہے' ان پر زبان طعن دراز کرتا ہے اور ان کا ادب و احترام ملحوظ نہیں رکھتا تو معاملہ اس حد تک محدود نہیں رہتا بلکہ خالص علمی تجزیہ کیا جائے تو اس کی زد میں سرور عالم' محبوب خدا' خاتم النبین والمرسلین محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی بھی آجاتی ہے۔ اس لئے کہ کسی کے تربیت یافتہ اور شاگرد میں کوئی کمی یا نقص یا کوئی تقصیر ہو تو مربی' معلم اور استاد اس سے بالکل بری نہیں ہو سکتا۔ وہ بھی کسی نہ کسی درجہ میں ذمہ دار قرار پاتا ہے۔ اسی بات کو حضورؐ کی اس حدیث میں واضح کیا گیا ہے :

((اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِی اَصْحَابِی ' لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا بَعْدِی ' فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّی اَحَبَّھُمْ ' وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِی اَبْغَضَھُمْ ' وَمَنْ آذَاھُمْ فَقَدْ آذَانِی ' وَمَنْ اٰذَانِی فَقَدْ آذَی اللّٰہَ ' وَمَنْ آذَی اللّٰہَ فَیُوشِکُ اَنْ یَّاْخُذَہٗ)) (رواہ الترمذی)

"میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو' ان کو میرے بعد نشانہ نہ بناؤ۔ پس جس شخص نے ان کو محبوب جانا تو میری محبت کی وجہ سے محبوب جانا اور جس شخص نے ان کے ساتھ بغض رکھا تو میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان

کے ساتھ بغض رکھا۔ اور جس شخص نے ان کو تکلیف دی اس نے مجھے
تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی' اس نے اللہ کو تکلیف دی' اور
جس نے اللہ کو تکلیف دی تو وہ عنقریب اس کو گرفت میں لے لے گا"۔
یہ وہ حدیث ہے جو تقریباً ہر خطبہ جمعہ میں ہمارے خطباء سناتے ہیں۔

شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کا تاریخی پس منظر

اب ہم شہید مظلوم حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تاریخی پس منظر اور ان اسباب و علل کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں جن کے نتیجے میں یہ سانحہ فاجعہ ظہور پذیر ہوا۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ ہر واقعہ کے کچھ اسباب ظاہری ہوتے ہیں اور کچھ باطنی اور مخفی۔ اور در اصل مؤثر کردار یہ باطنی و مخفی اسباب ہی ادا کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ عام طور پر ظاہری اسباب نظروں کے سامنے ہوتے ہیں لہٰذا ان مخفی اسباب کی طرف توجہ بہت کم مبذول ہوتی ہے بلکہ وہ نظر ہی نہیں آتے۔ آپ تاریخی اعتبار سے اس پر غور کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کامیاب فرمایا' آپ' کو غلبہ عنایت کیا اور آپ' کے مشن ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ کی جزیرہ نمائے عرب کی حد تک آنحضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں تکمیل ہو گئی اور آپ' کی وفات کے بعد آپ' کے مشن اور اسلام کے پیغام کو لے کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین باہر نکلے تو جو لوگ مفتوح ہوئے اور جن لوگوں نے شکست کھائی' غور کیجئے کہ وہ کون کون لوگ تھے! یہ دو بڑے بڑے گروہ تھے ـــــ پہلا وہ جس نے مذہبی طور پر اور دوسرا وہ جس نے سیاسی طور پر شکست کھائی۔

• مذہبی گروہ میں سے مشرکین عرب کا تو تیاپانچا کر دیا گیا۔ ان کے حق میں تو سورۃ التوبہ کی وہ آیات نازل ہو گئیں کہ ان مشرکوں کو چار مہینے کی مہلت ہے' اگر اس کے اندر یہ ایمان لے آئیں تو اس سرزمین میں رہ سکتے ہیں' اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ اگر یہ مشرکین اس چار ماہ کی مہلت سے فائدہ نہ اٹھائیں' یعنی نہ ایمان لے آئیں' نہ ترکِ وطن

کریں تو تم ان کو جہاں بھی پاؤ قتل کرو :

﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ﴾

"پس جب محترم مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ' اور انہیں پکڑو اور گھیرو' اور ہر گھات میں ان کی خبر لینے کے لئے بیٹھو!"

اِن آیات نے فیصلہ کر دیا کہ مشرکین عرب کے ساتھ کوئی رُو رعایت اور کوئی نرمی کا معاملہ نہیں ہو گا۔ اب شرک پر ڈٹے رہنے کے سبب سے ان کو تہ تیغ کر دیا جائے گا اور ان پر عذابِ استیصال کی سُنّت اللہ پوری ہو گی' جو اُن قوموں کے لئے مقرر ہے جن کی طرف رسول براہ راست مبعوث کئے جاتے ہیں۔ اور حضور ﷺ ان ہی میں سے اٹھائے گئے تھے اور حضورؐ کی دعوت کے اولین مخاطب یہی لوگ تھے ــــــ لیکن یہود و نصاریٰ کو ایک رخصت دی گئی کہ تم اپنے دین پر قائم رہ سکتے ہو' البتہ تمہیں چھوٹا بن کر اور مغلوب بن کر رہنا ہو گا اور جزیہ ادا کرنا ہو گا :

﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ ﴾

"جنگ کرو اہل کتاب میں سے اُن لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روزِ آخر پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دینِ حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔ (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے ہو کر رہیں"۔

یہ رعایت تھی جو اہل کتاب کے ساتھ اسلام نے کی۔ اس رعایت سے اہل کتاب بالخصوص یہود نے غلط فائدہ اٹھایا۔ ان میں جوشِ انتقام پہلے ہی سے موجود تھا' ان کی مذہبی سیادت ختم ہو چکی تھی اور ان کے نام نہاد تقویٰ کا بھرم کھل چکا تھا۔ ان کی حیثیت عرب میں بالکلیہ مغلوب اور ذِمی کی ہو گئی تھی' جس پر جزیہ کی ادائیگی ان کے لئے بڑی شاق تھی۔

اہل کتاب کے ساتھ قرآن مجید میں جو معاملہ کیا گیا ہے' اس کے بھی دو رُخ ہیں۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ نبوت میں جزیرہ نمائے عرب میں جو نصاریٰ تھے' ان کی قرآن نے کہیں کہیں تعریف و توصیف بھی کی ہے۔ ان میں خدا ترس لوگ موجود تھے' ان میں قبولِ حق کی استعداد تھی۔ پھر نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیّبہ میں نصاریٰ سے کوئی مسلح تصادم اور معرکہ بھی پیش نہیں آیا۔ جبکہ یہود کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ان پر قرآن میں بڑی شدید تنقیدیں ہوئی ہیں۔ سورۃ البقرہ کے دس رکوعات میں (چوتھے رکوع سے چودھویں رکوع تک) مسلسل ایک قراردادِ جرم ہے جو یہودیوں پر عائد کی گئی ہے۔ پھر ان کے تین قبیلوں کو مدینہ سے نکالا گیا۔ ایک قبیلے کی تعدّی و سرکشی اور بدعہدی کی وجہ سے خود ان کے مقرر کردہ حَکم کے فیصلے کے مطابق ان کے جنگ کے قابل تمام مَردوں کو تہ تیغ کیا گیا۔ پھر خیبر' جو ان کا مضبوط ترین گڑھ تھا' جہاں مستحکم قلعہ بندیاں تھیں' اور جہاں مدینہ سے نکلے ہوئے تمام یہودی جمع تھے اور وہ ہر طرح کیل کانٹے سے لیس تھے' وہ بھی مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔ لہٰذا سب سے زیادہ زخم خوردہ یہود تھے۔ عیسائی بھی زخم خوردہ تھے لیکن ان کا معاملہ اتنا شدید نہیں تھا جتنا یہودیوں کا تھا۔ لہٰذا انتقام کے لئے سب سے پہلے یہودیوں نے ریشہ دوانیاں اور سازشیں کیں۔ اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جتنا عظیم سازشی ذہن اس قوم کا ہے اور اس میں اس کو جو مہارتِ تامّہ حاصل ہے اس کا کوئی دوسری قوم مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ہندوؤں کے بارے میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ قوم بھی بڑا سازشی ذہن رکھتی ہے' تو جدید تحقیق یہ ہے کہ ہندو قوم بھی نسلی اعتبار سے یہودی ہے اور یہ قوم یہودیوں کے گم شدہ قبائل (Lost Tribes of Israil) سے تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا یہود و ہنود میں جہاں قافیہ ایک ہے وہاں مزاجی کیفیت میں بھی بڑی یکسانیت ہے۔

یہ یہودی سازشی ذہن ہی کا شاخسانہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوتِ توحید کے چشمۂ صافی میں سب سے زیادہ گھناؤنا اور عریاں ترین شرک شامل کر دیا گیا اور اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوری اُمت کو بد ترین شرک میں مبتلا کر دیا گیا۔ یعنی حضرت مسیح علیہ السلام

کو باقاعدہ اللہ کا صُلبی بیٹا قرار دے دیا گیا اور ان کو الوہیت میں شریک ٹھہرایا گیا۔ پھر روح القدس کو، جس سے بعض فرقوں کے نزدیک حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں اور بعض کے نزدیک حضرت مریم، اقانیمِ ثلاثہ میں شامل کر کے اس طرح تثلیث کا عقیدہ گھڑا گیا۔ یہ کام اُس انتہائی متعصب یہودی نے انجام دیا جو کہ سینٹ پال کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اُس نے بظاہر عیسائیت قبول کی اور پھر دینِ عیسوی کے بخیے ادھیڑ دیئے۔ اسی سازشی ذہن کا پیکرِ کامل یمن کا ایک یہودی عبداللہ بن سبا تھا، جو بظاہر مسلمان ہوا اور اُس نے مسلمانوں میں شامل ہو کر سازشی ریشہ دوانیاں شروع کیں۔ اس شخص نے اہل بیت کی محبت کا جھوٹا لیکن دلفریب لبادہ اوڑھ کر مفتوحہ علاقوں کے نومسلموں میں اپنے کارکنوں کے ذریعے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف مہم شروع کر دی اور ان سیدھے سادے نومسلم عوام کی عقیدتوں کا رُخ شخصیت پرستی کی طرف موڑ دیا۔

دوسری جانب سیاسی اعتبار سے دیکھئے، جب اسلام کو عروج حاصل ہوا تو دنیا میں دو عظیم مملکتیں تھیں، ایک سلطنتِ روما، جو تین براعظموں تک وسیع تھی اور یورپ کے اکثر ممالک، مغربی ایشیا کے چند علاقے اور شمالی افریقہ کے تقریباً تمام ممالک قیصرِ روم کے زیر نگیں یا باج گزار تھے۔ دوسری عظیم سلطنت کسریٰ کی تھی، یعنی ایران۔ خلافتِ راشدہ خصوصاً دورِ فاروقی میں سلطنتِ کسریٰ کی دھجیاں اُڑ گئیں، بلکہ اس کا تو وجود ہی صفحۂ ہستی سے محو ہو گیا۔ یہ نتیجہ تھا اُس گستاخی کا جو خسرو پرویز نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کے ساتھ کی تھی، جس کے ذریعے اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ حضورؐ نے تو اُسی وقت فرما دیا تھا کہ کسریٰ نے میرا نامہ چاک نہیں کیا بلکہ اپنی سلطنت کے پرزے اڑا دیئے۔ اس گستاخی کی اسے نقد سزا تو یہ ملی کہ اسی وقت سے ایران میں محلاتی سازشوں نے سر اٹھایا جن کے نتیجے میں خسرو پرویز قتل ہوا اور یکے بعد دیگرے مختلف افراد تختِ کسریٰ پر متمکن ہوئے ـــــ جبکہ سلطنتِ روما کی تو صرف ایک ٹانگ ٹوٹی۔ اس کے صرف مغربی ایشیا کے مقبوضات اور شمالی افریقہ میں سے صرف مصر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام کے پرچم تلے آئے۔ یورپ کے جو ممالک قیصرِ روم کے قبضے میں تھے وہ جوں کے توں باقی رہے اور سلطنتِ روما کی سطوت کافی بڑی حد تک باقی رہی۔ شمالی افریقہ

کے دوسرے مقبوضات دورِ عثمانی میں اسلامی مملکت کے زیرِ نگیں آئے ـــــ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ سلطنت کسریٰ کی تو دورِ فاروقی میں دھجیاں اُڑ گئیں' اس کا تو وجود ہی باقی نہیں رہا ـــــ لہٰذا جہاں تک انتقامی جذبات کا معاملہ ہے تو وہ سب سے زیادہ شدید ایرانیوں کے اندر موجزن تھے۔ اسی سے آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ایرانیوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اتنا بغض کیوں ہے! اسی کا مظہر ہے کہ ایران میں جیسے دوسرے اکابر اور اہل بیت کے مقبروں کی شبیہیں اور تصویریں بطور تقدیس چھپتی اور گھروں میں لگائی جاتی ہیں' اسی طرح اُس بدبخت ابولولو فیروز مجوسی کی قبر کی شبیہیں اور تصویریں فروخت ہوتی ہیں جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی جلیل القدر شخصیت' خلیفہ راشد اور امیرالمومنین کا قاتل تھا' اور ستم بالائے ستم یہ کہ ان کے نیچے یہ عبارت لکھی ہوتی ہے :"قبر مبارک حضرت ابولولو فیروز" ـــــ اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون۔ اس نانجار مجوسی کی قبر کی تقدیس اور اس کے نام کی توقیر صرف اس لئے کہ اس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حیاتِ مبارکہ کا چراغ بجھایا تھا' جو ایران کے حقیقی فاتح تھے۔

اب آپ غور کیجئے کہ اسلام کے خلاف دُو طرفہ سازشیں شروع ہوئیں۔ ایک جانب یہودیوں کی طرف سے جو مذہبی سیادت کے لحاظ سے زخم خوردہ تھے اور دوسری جانب ان مجوسیوں کی طرف سے جو چاہے بظاہر مسلمان ہو گئے ہوں لیکن جو سلطنتِ کسریٰ کے پرخچے اڑ جانے کی وجہ سے شکست خوردہ تھے اور آتش انتقام میں جل رہے تھے۔ نتیجتاً مذہبی اعتبار سے انتقام کے سب سے زیادہ شدید جذبات یہودیوں میں تھے اور سیاسی اعتبار سے سب سے زیادہ انتقام کے جذبات ایرانیوں میں تھے۔ یہ دونوں ہی چاہتے تھے کہ اللہ کے دین کے چراغ کو اپنی ریشہ دوانیوں' سازشوں اور افواہوں سے بجھادیں۔

اس انتقام کی پہلی کڑی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت تھی' اور اس کے ذریعے خلافتِ اسلامی کو سبوتاژ کرنا مقصود تھا' لیکن اسلام کے دشمنوں کو اپنے اس مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد حالات پر پوری طرح قابو پالیا' بلکہ داخلی امن و امان اور استحکام کے ساتھ تمام شورشیں اور بغاوتیں نہ صرف فرو کر ڈالیں بلکہ فتوحات کا دائرہ وسیع تر ہونے لگا تو اب یہودی سازشی

ذہن اور آگے بڑھا اور اُس نے اپنی وہ خفیہ کارروائیاں تیز کر دیں جن کی داغ بیل عبداللہ بن سبا دورِ صدیقی میں ڈال چکا تھا۔ اس سازشی کام کے لئے اس کو ایران کی زمین سب سے زیادہ سازگار نظر آئی۔ یہاں وہ عنصر بھی اچھی خاصی تعداد میں موجود تھا جو بظاہر مسلمان لیکن ذہناً مجوسی اور شاہ پرست تھا اور انتقام کی آگ میں جل رہا تھا' اور وہ سیدھے سادے عوام بھی موجود تھے جن کی گھٹی میں شخصیت پرستی اور ہیرو ورشپ (Heroworship) پڑی ہوئی تھی اور جو ہر بڑے اور ہر مقدس شخص کے اہل بیت کو بھی بڑا اور مقدس سمجھنے کے صدیوں سے خوگر تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا کی سازش پال کی سازش سے کم نہیں تھی۔ لیکن اسلام اللہ کا آخری دین ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی و رسول ہیں' اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہدایت ہے' جسے اللہ نے محفوظ رکھنے کی خود ذمہ داری لی ہوئی ہے: ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ اللہ کی طرف سے ﴿وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ﴾ کا اٹل فیصلہ ہو چکا تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت کو مسخ کیا گیا اور دین کا حلیہ بگاڑ دیا گیا تو قرآن نے آکر تصحیح کر دی اور دین حق مبرہن ہو گیا۔ اگر حضور ﷺ کی شخصیت کو اور آپؐ کے لائے ہوئے دین کو مسخ کر دیا جاتا تو پھر کون تھا جو اس کی تصحیح کرتا؟ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور ختم المرسلین ہیں لہٰذا حضورؐ کی شخصیت' دین اسلام اور قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی تحفظ عطا ہوا۔ نیز اُمتِ مسلمہ کو یہ فضیلت بھی عطا ہوئی کہ اُمت کے علمائے حق کا مقام حضور ﷺ کے ارشادِ گرامی کے مطابق انبیائے بنی اسرائیل کے مطابق قرار پایا۔ مزید برآں حضورؐ نے یہ خوشخبری بھی سنائی کہ میری اُمت کا ایک گروہ ہر دَور میں حق پر قائم رہے گا ــــــ لہٰذا یہ سازش بالکلیہ کامیاب نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن اس سازش کے وہ گندے اور نجس انڈے بچے تھے جن کے ہاتھوں خلیفۂ ثالث عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور علوی خلافت کا پورا دَور فتنہ و فساد اور خانہ جنگی کی نذر ہو گیا اور اس دَور میں چوراسی ہزار مسلمان ایک دوسرے کی تلواروں سے شہید ہوئے۔ یہ درحقیقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا خمیازہ تھا۔ جب کسی حقیقی بندۂ مومن کو ستایا جاتا ہے' جب کسی مؤمنِ

صادق کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا ہے' جب کسی اللہ والے کے دل کو دُکھایا جاتا ہے' جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کسی محبوب کا ناحق خون بہایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا غیظ و غضب بھڑکتا ہے اور مختلف صورتوں میں عذابِ الٰہی کا ظہور ہوتا ہے' جس کی ایک بڑی المناک صورت آپس کی خانہ جنگی اور خون ریزی ہوتی ہے' جو ہمیں دورِ علوی میں نظر آتی ہے۔

مظلوم ترین شہادت

اسلام کی تاریخ قربانیوں اور شہادتوں سے بھری پڑی ہے' لیکن واقعہ یہ ہے کہ "شہیدِ مظلوم" حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس سے قبل مسلمان کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے' انفرادی طور پر بھی اور میدانِ قتال میں بھی' جہاں انہوں نے کفار کو قتل بھی کیا اور خود شہادت کے مرتبہ عالیہ سے سرفراز بھی ہوئے۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وہ پہلے مردِ صالح ہیں جو امامِ وقت' خلیفۂ راشد اور امیر المومنین ہوتے ہوئے خود مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ آپؓ محبوبِ رسولِ خدا ہیں' اور محبوب بھی کیسے کہ جن کے حبالۂ نکاح میں یکے بعد دیگرے حضور ﷺ کی دو صاحبزادیاں آئیں ـــــ جن کے حسن سلوک سے نبی اکرم ﷺ اتنے خوش تھے کہ یکے بعد دیگرے اپنی چالیس بیٹیاں آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دینے کے لئے راضی تھے اور جن کے متعلق حضورؐ نے یہ بشارت دی تھی کہ ((لِکُلِّ نَبِیٍّ رَفِیْقٌ وَرَفِیْقِی یعنی فِی الجَنَّۃِ عُثْمَان)) (ترمذی) یعنی "جنت میں ہر نبی کے ساتھ اس کی اُمت سے ایک رفیق ہوگا اور عثمان (رضی اللہ عنہ) میرے رفیق ہیں' وہ جنت میں میرے ساتھ ہوں گے۔"

وہ بزرگ ہستی انتہائی مظلومیت کی حالت میں قتل ہوئی جو کاتب وحی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ "بخدا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوتے اور حضورؐ پر اس حال میں وحی نازل ہوتی کہ حضورؐ اپنی پشت سے مجھ پر سہارا لگائے ہوئے ہوتے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرماتے کہ لکھو"۔ چنانچہ کتب سیر میں منقول ہے کہ جب باغیوں کے حملہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا داہنا ہاتھ کاٹا گیا تو آپؓ

نے فرمایا : "یہ وہی ہاتھ ہے جس نے سورِ مفصل کو لکھا تھا" ـــــ وہ مبارک شخصیت حالت محصوری میں شہید کی گئی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اُمت پر یہ احسان فرمایا کہ پوری اُمت کو ایک مصحف پر مجتمع اور متفق کر دیا۔ آج ہم جس قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں وہ اُمت تک بہ کمال و تمام صحت کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کی بدولت منتقل ہوا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ آرمینیا اور آذربائیجان کی فتح کے بعد (جو دَورِ عثمانی میں ہوئی تھی) مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عراق و شام میں قراءتِ قرآن کے اندر مسلمانوں کے اختلاف کا ذکر بڑی تشویش کے ساتھ کیا اور کہا "یا امیرالمومنین! یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف ہونے سے پہلے اس کا تدارک کر لیجئے۔" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُم المومنین حضرت حفصہ بنتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہا سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دَور میں جمع کیا ہوا مصحف منگوا بھیجا اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس مصحف کو قریش کی زبان کے موافق لکھوایا، اس لئے کہ قریش کی زبان ہی میں قرآن حکیم نازل ہوا تھا، اور اس مصحف کی نقول تمام بلادِ اسلامیہ میں بھیج دیں۔

وہ معتمد شخصیت مظلومانہ طور پر شہید کی گئی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو کامل اعتماد تھا اور جو ہر نازک موقع پر مشوروں میں شریک رہے۔ یہ واقعہ تو بہت مشہور ہے کہ مرض الموت میں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے جانشین کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے وصیت لکھوا رہے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لکھوانے سے قبل آپؓ پر غشی طاری ہو گئی، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لکھ دیا۔ جب غشی دُور ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا "پڑھئے کیا لکھا ہے"۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام سنا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں اور کہا "آپ نے عمر کا نام اس لئے لکھ دیا کہ مبادا اس غشی میں میری جان چلی جائے۔"

جنت کے بشارت یافتہ اُس امامِ وقت کا خون ناحق بہایا گیا جن سے احادیث کی معتبر کتابوں میں ایک سو چالیس حدیثیں مروی ہیں، جن میں وہ مشہور حدیث بھی ہے جو صحیح بخاری میں موجود ہے اور ہماری دعوت رجوع الی القرآن میں رہنما اصول کے طور پر

شامل ہے کہ: ((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ)) "تم میں بہترین وہ ہے جس نے خود قرآن سیکھا اور اسے دوسروں کو سکھایا"۔ آپ کو معلوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشخبری دی ہے کہ جس مؤمنِ صالح نے چالیس حدیثیں یاد کر لیں تو وہ قیامت کے روز علماء کے زمرے میں اٹھایا جائے گا' تو جن کو ایک سو چالیس احادیث نہ صرف یاد ہوں بلکہ انہوں نے آنحضور ﷺ سے سن کر روایت کی ہوں' ان کے مرتبے اور مقام علو کا کیا کہنا!

اُس عالی مقام بزرگ کو شہید کیا گیا جس سے خدا بھی راضی تھا اور رسول اللہ ﷺ بھی راضی تھے۔ چنانچہ مستدرک حاکم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ "ایک دن حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا نے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا کہ میرا شوہر بہتر ہے یا فاطمہ رضی اللہ عنہا کا؟ حضورؐ نے کچھ دیر سکوت فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ "تمہارا شوہر اُن لوگوں میں سے ہے جو خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتے ہیں اور خدا اور رسولؐ ان کو دوست رکھتا ہے" ــــ پھر حضور ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: "میں تم سے اس سے بھی زیادہ بیان کرتا ہوں' وہ یہ کہ میں (معراج میں) جب جنت میں داخل ہوا اور عثمان کا مکان دیکھا تو اپنے صحابہ میں سے کسی کا ایسا نہیں دیکھا' ان کا مکان سب سے بلند تھا"۔ اس روایت کے ساتھ ہی ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنے اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ: "میں کہتا ہوں کہ یہ بلوے پر صبر کرنے کا ثواب ہے"۔

شہادت سے قبل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تقریباً پچاس دن محاصرے کی حالت میں رہے اور اس دوران بلوائیوں نے پانی کا ایک مشکیزہ تک امامِ وقت کے گھر میں پہنچنے نہیں دیا۔ ان مفسدین کی شقاوتِ قلبی دیکھئے کہ اس شخص پر پانی بند کر دیا گیا جس نے اپنی جیب خاص سے بئر رومہ خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کیا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ دگرگوں حالات کے باعث اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لوگوں کی وہ امانتیں لینے جانا چاہتی تھیں جو آپ کے پاس محفوظ تھیں اور اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے پانی کا ایک مشکیزہ بھی ساتھ لے لیا' لیکن باغیوں نے نیزوں کے پھلوں سے مشکیزے میں چھید کر دیئے' اُم المومنین رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کی اور ان کو اندر نہیں جانے دیا۔

یہی واقعہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ پیش آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ان دونوں صاحبزادوں کے ہاتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پانی کی ایک مشک بھیجی۔ ان کا خیال تھا کہ بلوائی کم از کم حسنین رضی اللہ عنہما کا تو لحاظ کریں گے۔ لیکن ظالموں نے ان کی بھی پرواہ نہیں کی اور مشک کو نیزوں سے چھید دیا۔

ایک طبقہ کی طرف سے کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے خانوادے کی پیاس کے چرچے کو اتنا عام کیا گیا' اتنا پھیلایا گیا اور مسلسل پھیلایا جاتا ہے کہ اہل سنت کے ذہنوں پر بھی یہی بات مسلط ہے کہ کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پانی بند کر کے جس ظلم اور شقاوتِ قلبی کا مظاہرہ کیا گیا تھا اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ بلاشبہ یہ انتہائی شقاوت تھی' اس سے انکار نہیں' لیکن اس کے اس قدر چرچے کی اصل غایت یہ ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پچاس دن رات پانی بند رکھنے کے باعث اس امام برحق اور اس کے اہل خاندان پر جو مصیبت گزری تھی وہ مسلمانوں کے اجتماعی حافظے سے محو ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کے عوام تو درکنار اچھے خاصے تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی یہ معلوم تک نہیں کہ خلفائے راشدین میں سے تیسرے خلیفہ' فضیلت کے لحاظ سے پوری اُمتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں تیسرے مقام پر فائز شخصیت' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد کس بیمانہ ظلم و ستم کا نشانہ بنائے گئے تھے۔ کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر کتنے دن پانی بند رہا؟ مشہور روایات کے مطابق ۷ محرم الحرام کو تو وہ میدان کربلا میں پہنچے تھے اور ۱۰ محرم کو ان کی شہادت ہو گئی۔ یعنی زیادہ سے زیادہ چار دن پانی بند رہا۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قافلہ دریائے فرات سے کچھ ہی فاصلہ پر مقیم تھا' جہاں تھوڑا سا گڑھا کھودا جائے تو پانی برآمد ہو جاتا ہے' البتہ وہ گدلا اور ناصاف ہوتا ہے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ گڑھے کھودے گئے اور گدلا پانی فراہم کیا گیا۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تو پچاس دن کے لگ بھگ پانی بند رکھا گیا اور وہ اپنے مکان کے بالاخانے کی بالکونی سے بلوائیوں اور محاصرہ کنندگان سے فریاد کرتے رہے کہ : "میں تم کو خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں' کیا تم جانتے ہو کہ بئرِ رومہ سے کوئی شخص بلا قیمت پانی نہیں پی سکتا تھا' پھر میں نے اس کو خرید کر وقف کر دیا تو امیر و غریب اور مسافر سب اس سے سیراب ہوتے ہیں"۔ لوگوں نے کہا

"ہاں ہم جانتے ہیں"۔ لیکن اس کے باوجود ان ظالموں کی طرف سے امام مظلوم رضی اللہ عنہ کو پانی پہنچنے نہیں دیا گیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی پیاس کا اتنا چرچا کیا گیا' اس میں اتنی رنگ آمیزی کی گئی اور ان کی پیاس کی مبالغہ آمیز داستان اس لئے گھڑی گئی تاکہ اُمت کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پیاس یاد نہ رہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر مظلومیت کا رنگ اس لئے چڑھایا گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومیت آنکھوں سے اوجھل ہو جائے۔ ایک واقعہ کو پورے ڈرامائی انداز سے ــــ جو اپنی جگہ کتنا ہی المناک کیوں نہ ہو ــــ عوام الناس میں اس طرح پھیلا دیا گیا ہے کہ اب کوئی جانتا ہی نہیں کہ اُمت کے اصل مظلوم شہید حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر ہر سال اس کا اتنا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ گویا تاریخ اسلام میں کوئی اس سے زیادہ المناک اور عظیم سانحہ وقوع پذیر ہوا ہی نہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سانحہ کربلا بھی انتہائی المناک تھا اور یہ تاریخ اسلام کے ماتھے پر ایک بدنما داغ ہے لیکن ہر واقعے اور سانحے کا ایک مقام اور مرتبہ ہے' اس کو اسی مقام پر رکھنا چاہئے' افراط و تفریط سے عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی 'مسلمان کہلانے والوں کے ہاتھوں شہید ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت انتہائی قابل افسوس حادثہ ہے' لیکن آپؓ میدان جنگ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ مدمقابل دشمن کو قتل بھی کیا اور مقتول بھی ہوئے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ چاہے ایک کا ایک سو سے مقابلہ ہو' لیکن جب کوئی میدان جنگ میں ہے اور اس کے ہاتھ میں تلوار بھی ہے تو "يَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ" والا معاملہ کسی نہ کسی درجے میں تو درپیش ہے۔ مقابلہ کرنے والا قتل بھی کرتا ہے اور مقتول بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ صورت حال بالکل دوسری ہے ــــ لیکن ذرا تقابل تو کیجئے میدان کربلا کے میدانِ کارزار کا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تقریباً پچاس دن کے محاصرے کے بعد شہادت کا۔ وقت کی عظیم ترین سلطنت کا فرمانروا' جس کی حدودِ مملکت کا یہ عالم ہو کہ حضرت ذوالقرنین جیسے عظیم بادشاہ کی سلطنت سے بھی سہ چند ــــ وہ اگر ذرا اشارہ کردے تو اتنی فوجیں جمع ہو سکتی ہیں جن کا شمار ممکن نہیں۔ مصر' شمالی افریقہ' شام و فلسطین' یمن' نجد' حجاز' عراق اور ایران کے جان نثار گونرز' سب ان کے ایک حکم پر لشکرِ جرار کے ساتھ حاضر ہو سکتے تھے ــــ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انتہائی اصرار کرتے رہے کہ ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم ان بلوائیوں، شورش پسندوں، فتنہ گروں اور باغیوں سے نمٹ لیں۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زبان پر ایک حکم تھا کہ "نہیں"۔ اگر اس پیکر صبر و رضا کی زبان سے ایک لفظ بھی اجازت کا نکل جاتا تو بلوائیوں اور باغیوں کی تکہ بوٹی ہو جاتی اور ان کا نام و نشان ڈھونڈے سے بھی نہ ملتا ـــــ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس آزمائش میں صبر و ثبات، حلم و تحمل اور قوت برداشت کے کوہ ہمالیہ نظر آتے ہیں۔ انہیں اپنی جان دینا قبول ـــــ اپنی بے حرمتی منظور ـــــ لیکن یہ بات کسی حال میں منظور نہیں کہ ان کی وجہ سے کسی بھی کلمہ گو کے خون کی ایک بوند گرے۔

صبر و تحمل کی عظیم مثال

میں حیران ہوتا ہوں ان لوگوں کی عقل اور سمجھ پر جو کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کمزور طبع تھے۔ میں کہتا ہوں کہ خدا کے بندو! غور کرو، کوئی کمزور آدمی ایسا دیکھا ہے جو ان حالات میں، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیش آئے، تحمل و حلم اور صبر و ثبات کا بے نظیر مظاہرہ کر سکے۔ جب بلی کی جان پر بن آتی ہے تو وہ پکڑنے والے کے حلقوم پر جھپٹا مارنے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ اِدھر حال یہ ہے کہ ایک اشارے پر بے شمار جاں نثار جمع ہو سکتے ہیں، جو پسینے کی جگہ خون بہانا اپنے لئے سعادت سمجھتے ہیں۔ کمزور آدمی تو فوراً مشتعل ہو جاتا ہے، کمزور آدمی میں حلم کہاں اور تحمل کہاں؟ ـــــ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ساری قوت، سارے وسائل اور سارا دبدبہ رکھتے ہوئے بھی اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے ہیں کہ چاہے میری جان چلی جائے، میرا خون بہہ جائے، لیکن میں اپنی حفاظت میں کسی کلمہ گو کا خون بہانے کے لئے تیار نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے تو ہمارے ہاتھ باندھ دیئے ہیں، ہم کریں تو کیا کریں۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ بلوائیوں کی کل تعداد اٹھارہ سو تھی۔ بعض لوگ تعجب کرتے ہیں کہ عین دار الخلافہ میں اٹھارہ سو نفوس کس طرح پچاس دن محاصرہ کے بعد خلیفہ وقت کو قتل کر گئے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پابند کر دیا تھا کہ میری مدافعت کے لئے تلوار نہیں اٹھائی جائے گی، میں کسی

کلمہ گو کے خون کی چھینٹ اپنے دامن پر برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ بلوائی بلاشبہ باغی تھے' منافق تھے' لیکن تھے تو کلمہ گو۔ یاد کیجئے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے گستاخانہ رویہ پر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا تھا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ لیکن حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ نہیں عمر! وہ کچھ بھی ہو' اس کو کلمہ کا تحفظ حاصل ہے۔ عین حالت جنگ میں ایک شخص نے اُس وقت جبکہ وہ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی تلوار کی زد میں آگیا تھا' کلمہ پڑھ دیا' لیکن انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ انہوں نے وہی کچھ سمجھا جو ایسے موقع پر ہر شخص سمجھتا ہے کہ یہ جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے۔ جب حضور ﷺ کے علم میں یہ بات آئی اور حضور ﷺ نے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بھی کہا کہ حضورؐ! اس نے تو جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھا تھا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا : اے اُسامہ! قیامت کے دن کیا کرو گے جب وہ کلمہ تمہارے خلاف استغاثہ لے کر آئے گا' جس کی ڈھال ہوتے ہوئے تمہاری تلوار اس شخص کی گردن پر پڑی ـــــ اِدھر یہ بلوائی کلمہ کی ڈھال لئے ہوئے تھے' اُدھر معاملہ تھا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے' جو ایک طرف "کامل الحیاء و الایمان" تھے تو دوسری طرف صبر و ثبات اور حلم و تحمل کی آہنی چٹان تھے۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ان بلوائیوں کے خون کا ایک چھینٹا تک ڈھونڈے سے کہیں نظر نہ آتا۔ ایسی ہستی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کمزور طبع تھے۔ کمزور طبع شخص تو مایوسی کے عالم میں انتہائی مشتعل (Desperate) ہو جاتا ہے اور وہ کچھ کر گزرتا ہے جو عام حالات میں کسی زور آور اور مضبوط انسان سے بھی بعید ہوتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت کا یہ حصہ گواہی دے رہا ہے کہ آپؓ صبر و استقامت کے ایک پہاڑ تھے۔ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ کر اسے عام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مغالطوں' غلط فہمیوں اور فریبوں کے پردے چاک ہوں۔

اس ضمن میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں درج کی ہے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ محاصرہ کی حالت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ امیر المومنین! میں آپ کے سامنے تین باتیں پیش کرتا ہوں' ان میں سے کوئی ایک اختیار فرمالیجئے' ورنہ یہ بلوائی آپ کو ناحق قتل کر دیں گے۔ یا تو آپ

نے ان تینوں تجویزوں کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ لڑنے کے متعلق تو یہ ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اُمت میں پہلا خونریز خلیفہ بنوں اور اپنی مدافعت میں مسلمانوں کا خون مسلمانوں کے ہاتھوں بہانے کا سبب بنوں۔ مکہ اس لئے نہیں جاؤں گا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ قریش کے جس شخص کی وجہ سے مکہ میں ظلم ہو گا اس پر نصف عالم کے برابر عذاب ہو گا۔ میں نہیں چاہتا کہ میں ہی وہ شخص بنوں۔ جبکہ دار الہجرت اور نبی اکرم ﷺ کا قرب چھوڑ کر شام چلے جانا مجھے کسی طرح گوارا نہیں۔

ابن سیرینؒ سے روایت ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بلوائیوں کا محاصرہ توڑ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: "انصار دروازے پر موجود ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر آپ چاہیں تو ہم دو مرتبہ انصار اللہ بن جائیں"۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ "میں قتال کی اجازت نہیں دے سکتا"۔ اسی قسم کی ایک روایت حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ: "انصار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: یا امیر المومنین! ہم چاہتے ہیں کہ خدا کی دوسری مرتبہ مدد کریں۔ ایک مرتبہ تو ہم نے رسول اللہ ﷺ کی مدد کی تھی، اب دوسری مرتبہ آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا مجھے اس کی ضرورت نہیں، میں اپنے لئے ہرگز خوں ریزی کی اجازت نہیں دوں گا۔ تم واپس چلے جاؤ"۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ مزید کہتے ہیں کہ بخدا اگر وہ لوگ صرف چادروں سے آپ رضی اللہ عنہ کی حفاظت کرتے تو آپ کو بچا لیتے۔ ایسے شخص کے متعلق یہ حکم لگانا کہ وہ کمزور طبع تھے، انتہائی ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ میں پھر یہی عرض کروں گا کہ ایسے لوگوں میں خود عقل نہیں یا وہ دوسرے سب لوگوں کو اتنا بے وقوف سمجھتے ہیں کہ جو بات یہ کہہ دیں وہ باور کر

لی جائے گی۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی سی ساری کوشش کرنے بلکہ اپنی جان دے کر بھی فتنہ کو نہ روک سکے تو ان کی شجاعت' جرأت اور شیر خدا ہونے پر کوئی نقص واقع نہیں ہوتا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیسے کمزور ہو گئے جبکہ انہوں نے بھی اپنا خون صرف فتنہ کو سر اٹھانے کا موقع نہ دینے کی وجہ سے دے دیا۔

میرے نزدیک اس بات کی مسلمانوں میں خوب نشر و اشاعت کی ضرورت ہے کہ ہمارے نزدیک میدان قتال میں کفار کے ہاتھوں شہید ہونے والوں میں پوری اُمت میں سب سے افضل حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں' جن کا اعضاء بریدہ اور مُثلہ شدہ لاشہ اس حال میں رحمۃً لِلعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں کے سامنے تھا کہ پیٹ چاک اور کلیجہ چبایا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو ترجمان وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے "سَیِّد الشُّھَدَاء" کا لقب دیا تھا۔ اُمت کی تاریخ میں دوسرا المناک سانحہ ایک مجوسی غلام کے ہاتھوں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے چراغِ حیات کا گُل ہونا تھا۔ اسی طرح ایک نام نہاد کلمہ گو کے ہاتھوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی امت کے لئے ایک سانحۂ فاجعہ سے کم نہیں ——— لیکن مظلومیت کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں سب سے زیادہ المناک' سب سے زیادہ دردناک اور سب سے زیادہ عظیم سانحہ فاجعہ امامِ برحق' خلیفہ راشد امیر المومنین حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ان سب کے بعد آتی ہے۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خونِ ناحق ہی تھا جس کی وجہ سے اللہ کا غضب آیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں چوراسی ہزار مسلمان ایک دوسرے کے ہاتھوں شہید ہوئے' خون کی ندیاں بہہ گئیں' فتوحات کا سلسلہ رک گیا اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اُٹھی ——— مسلمانوں میں ایسا تفرقہ پڑا کہ چودہ سو سال بھی اس کو پاٹ نہ سکے بلکہ وہ ہر دَور میں وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ میدان کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ذمہ دار بھی دراصل وہی سازشی لوگ تھے جن کی ریشہ دوانیوں کے نتیجے میں ۱۸ ذوالحجہ ۳۶ ہجری کو امام مظلوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے' اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر واویلا اور ماتم کرنے والے بھی درحقیقت اکثر و بیشتر وہی لوگ ہیں جن کے دامن خونِ عثمان' خونِ علی اور خونِ حسین رضی اللہ عنہم سے داغدار ہیں۔

سانحہ عظیم

روایات میں آتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے چند یوم قبل حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (جو اسلام سے قبل ایک جیّد یہودی عالم تھے) نے محاصرین سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اجازت طلب کی۔ چونکہ اس بلوے میں اصل سازشی ذہن تو یہودیوں کا کام کر رہا تھا للذا بلوائیوں نے یہ گمان کیا کہ یہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کوئی گستاخی کر کے آئیں گے' للذا انہوں نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ مجھے اپنے پاس رہنے کی اجازت دیجئے کیونکہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ یہ ظالم اب آپ کو شہید کئے بغیر نہ ٹلیں گے۔ میری تمنا ہے کہ میں بھی آپ کی مدافعت میں شہید ہو جاؤں ـــــ اس کے جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ روایات میں محفوظ ہیں کہ: "میرا جو حق تم پر ہے' میں اس کا واسطہ دے کر تم سے کہتا ہوں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ' میرے ساتھ نہ رہو"۔ وہ حق کیا تھا؟ اس کی تفصیل موجود نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کبھی ان کے ساتھ کوئی حسن سلوک کیا ہو' اس کا واسطہ دیا ہو اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مُراد امیرالمومنین ہونے کی وجہ سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پر جو آپؓ کی اطاعت واجب تھی' اس کا واسطہ دیا ہو ـــــ بہرحال ناچار حضرت عبداللہ بن سلام واپس چلے گئے۔ باہر بلوائی منتظر تھے کہ وہ آکر ہمیں بتائیں گے کہ کس طرح وہ حضرت عثمان کی دل آزاری کر کے آئے ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام نے بلوائیوں کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کہ: "لوگو! باز آجاؤ۔ امام وقت کے خون میں اپنے ہاتھ نہ رنگو۔ میں تم کو خبردار کرتا ہوں کہ کبھی اللہ کا کوئی نبی شہید نہیں کیا گیا' جس کی پاداش میں کم از کم ستر ہزار لوگ قتل نہیں ہوئے اور کبھی کسی نبی کا خلیفہ شہید نہیں کیا گیا الا آنکہ اس کی شہادت کے بعد کم از کم ۳۵ ہزار لوگ قتل نہیں ہوئے ـــــ دیکھو! باز آجاؤ' میں سچ کہتا ہوں کہ خون کی ندیاں بہہ جائیں گی"۔ بلوائی کچھ اور توقع کر رہے تھے' لیکن جب انہوں نے یہ بات سنی تو شور مچا دیا کہ "یہ یہودی جھوٹ کہتا ہے"۔ انہوں نے پھر کہا "خدا کی قسم میں جھوٹ

نہیں کہہ رہا' بلکہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اللہ کی کتاب تورات کے حوالے سے کہہ رہا ہوں! اب بھی باز آجاؤ' ورنہ تمہاری اس حرکت سے جو فتنے کا دروازہ کھلے گا' اس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے"۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ "اے عثمان! اگر اللہ تعالیٰ تمہیں اِس اُمت پر خلیفہ مقرر کرے اور منافق اس بات کی کوشش کریں کہ اللہ کے پہنائے ہوئے اس کرتے کو اتار دو تو اس کو ہرگز نہ اتارنا" ـــــ حضورؐ نے تین بار تاکید فرمائی۔ چنانچہ عین شہادت کے دن جب بلوائیوں کی طرف سے اُشتر نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ مطالبہ رکھا کہ آپ خلافت چھوڑ دیں اور لوگوں سے کہہ دیں کہ تم کو اختیار ہے جس کو چاہو خلیفہ بنالو! ورنہ یہ لوگ آپ کو قتل کر ڈالیں گے' تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ "میں خلافت نہیں چھوڑ سکتا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ جس جامہ کو خدا مجھے پہنائے گا میں اس کو کبھی نہیں اتاروں گا" ـــــ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابن ماجہ میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں ایک وقت صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تخلیہ میں بلا کر ان سے کچھ باتیں کیں۔ اس دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا چہرہ متغیر ہوتا چلا گیا ـــــ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام ابو سہلہ نے بیان کیا کہ شہادت سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ میں صابر رہوں۔

وقتِ آخر

اس کامل الحیاء والایمان کے اعطاء اور تقویٰ کی عین شہادت کے دن والی شان بھی دیکھئے۔ اُس وقت آپ رضی اللہ عنہ کے پاس بیس غلام تھے' ان سب کو یہ کہہ کر آزاد کردیا کہ میرا تو آخری وقت آگیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ساری عمر کبھی شلوار نہیں پہنی تھی' لیکن جب معلوم ہوگیا کہ وقت آخر قریب ہے تو اس خیال سے کہ مبادا اس ہنگامے میں عریاں ہو جاؤں' شلوار منگائی اور پہنی۔ روایت میں الفاظ آئے ہیں کہ "وَشَدَّهَا" کہ اس کو خوب کس کر باندھا' تاکہ شہید ہونے کے بعد ستر نہ کھلنے پائے اور اس موقع پر رسول اللہ

ﷺ کے فرمائے ہوئے الفاظ "وَ اَكْثَرُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ" کو کہیں بٹہ نہ لگ جائے۔ شلوار پہنی اور پھر قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا پہلا قطرہ سورۃ البقرہ کے ان الفاظ پر گرا ﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ﴾ "ان کے مقابلے میں اللہ تمہاری حمایت کے لئے کافی ہے" ــــ اس طرح وہ پیشینگوئی پوری ہوئی جس کو امام حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ :"میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا' اتنے میں عثمان رضی اللہ عنہ آگئے۔ آپ نے فرمایا : اے عثمان! تم سورۃ البقرہ پڑھتے ہوئے شہید کئے جاؤ گے اور تمہارے خون کا قطرہ آیت فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ پر گرے گا۔ تم پر اہل مشرق و مغرب یورش کریں گے اور ربیعہ و مضر (دو قبیلے) کے لوگوں کے برابر تمہاری شفاعت قبول ہوگی اور تم قیامت میں بے کسوں کے سردار بنا کر اٹھائے جاؤ گے۔"

نبی اکرم ﷺ کی مزید پیشین گوئیاں

صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے (جب کہ ایک مرتبہ آپ باغ میں تھے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تشریف لا چکے تھے تو) تیسری بار دروازے پر دستک سن کر مجھ سے فرمایا کہ عثمان کے لئے دروازہ کھول دو اور ان کو ایک بلوے میں صابر رہنے پر جنت کی خوشخبری سناؤ"۔

حضرت کعب بن عجزہ رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ میں مروی ہے کہ :"ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فتنوں کا ذکر کیا اور ان کا قریب ہونا بیان کیا۔ اتنے میں ایک صاحب اپنا سر لپیٹے ہوئے نکلے جس سے ان کا منہ چھپا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اُس دن حق پر ہو گا۔ میں نے لپک کر ان صاحب کے ہاتھ پکڑ لئے اور ان کا چہرہ کھول کر حضورؐ کی طرف کرتے ہوئے عرض کیا "یہی؟" آپ نے جواب میں فرمایا "ہاں یہی" ــــ یہ صاحب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے"۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی بیان کیا ہے۔

استیعاب میں ہے کہ زرارہ بن نخعی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے اپنا خواب بیان کیا کہ "میں نے دیکھا کہ ایک آگ نکلی جو میرے اور میرے بیٹے کے درمیان حائل ہو گئی"۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ آگ وہ فتنہ ہے جو میرے بعد ہو گا۔ لوگوں نے دریافت کیا: یارسول اللہؐ! فتنہ کیسا؟ حضورؐ نے فرمایا: "آگ وہ فتنہ ہے جس میں لوگ اپنے امام کو قتل کر ڈالیں گے، جس کے بعد آپس میں خوب لڑیں گے، مسلمان کا خون مسلمان کے نزدیک پانی کی طرح خوشگوار ہو گا، برائی کرنے والا اپنے آپ کو نیک گمان کرے گا"۔ آنحضور ﷺ اس ارشاد میں "امام" سے مُراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ ان کی شہادت کے بعد ہی مسلمانوں میں آپس میں خونریزی ہوئی۔

ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک فتنہ کا ذکر کیا اور اس موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس میں یہ مظلوم شہید ہوں گے"۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپؐ فرماتے تھے کہ عنقریب فتنہ و اختلاف ہو گا۔ ہم نے کہا آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ امین یعنی عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کا ساتھ اختیار کرنا"۔

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے تاثرات

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے قبل وفات پا چکے تھے، لیکن ان کے غلام ابو سعید سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ "خدا کی قسم اگر لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیں گے تو ان کا جانشین نہیں ملے گا"۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے (یکے از عشرہ مبشرہ) شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کہا: "اگر تمہارے اس معاملہ سے جو تم نے عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا ہے، خدا کا عرش اپنی جگہ سے ہل جاتا تو بعید نہیں تھا۔"

عالم اولین و آخرین یعنی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ: "لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے اپنے اوپر ایسے فتنے کا دروازہ کھول لیا ہے جو قیامت تک بند نہ ہو گا۔ اب جو تلواریں کھنچ گئی ہیں وہ قیامت تک میانوں میں بند نہ ہوں گی" ——

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حسرت سے کہا کرتی تھیں کہ: "باغیوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا حالانکہ وہ سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے اور اللہ سے ڈرنے والے تھے"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کا ایک قول مروی ہے۔ محمد بن حاطب سے روایت ہے کہ کوفہ میں ایک مجلس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ : "لوگ عثمان کے حق میں کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنوں کی پاسداری کی اور بری طرح حکومت کی اور لوگوں نے ان سے بدلہ لیا ہے' جبکہ میں کہتا ہوں کہ یہ لوگ جب عنقریب حاکم عادل کے پاس جائیں گے تو وہ ان کا فیصلہ کردے گا' ان کے لئے آگ ہوگی"۔ محمد بن حاطب کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر مجھ سے کہا کہ : "اے محمد بن حاطب! جب تم مدینہ جاؤ اور لوگ تم سے عثمان کی بابت دریافت کریں تو کہنا کہ خدا کی قسم وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کی قرآن نے یہ صفت بیان کی ہے : ﴿اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۚ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾ (جبکہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا' ایمان لائے اور عمل صالح کیا' پھر تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے۔ پھر تقویٰ اختیار کیا اور خوبی کے ساتھ اس کا حق ادا کیا' اور اللہ خوب کاروں کو دوست رکھتا ہے) ــــــ

روایات میں یہ واقعہ بھی نقل ہوا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اَبان کے ساتھ بیٹھے تھے۔ آپؓ نے ابان کو مخاطب کر کے کہا : "میں اُمید کرتا ہوں کہ میں اور تمہارے والد ان لوگوں میں سے ہیں جن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی : ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝﴾ (ان کے دلوں میں جو تھوڑی بہت کھوٹ کپٹ ہوگی اسے ہم نکال دیں گے' وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے۔)

مستدرک حاکم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اکثر کہا کرتے تھے کہ : "یاالٰہی! تو خوب جانتا ہے کہ میں عثمان کے خون سے بری ہوں اور عثمان کے قتل کے دن میرے ہوش اُڑ گئے تھے" ــــــ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا کہ : "لوگوں نے عثمان کے قتل کے بعد مجھ سے بیعت کرنا چاہی' میں نے کہا بخدا مجھے ان لوگوں سے بیعت لیتے شرم آتی ہے جنہوں نے اس شخص کو قتل کر ڈالا جس کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "کیا میں اس سے شرم نہ کروں جس سے ملائکہ شرم کرتے ہیں" پس میں بھی خدا سے شرم کرتا ہوں۔ لوگ چلے گئے۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ دفن ہو

گئے اور اُمت بغیر خلیفہ کے رہ گئی' اہل مدینہ نے بھی بیعت کے لئے اصرار کیا تو میں نے بیعت لے لی اور اُس وقت میں نے کہا : اے اللہ عثمان (رضی اللہ عنہ) کا بدلہ مجھ سے لے لے یہاں تک کہ تو راضی ہو جا۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کہا کہ "خدا کی قسم جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ۔ بخدا اب قریش میں اس کثرت سے موت اور قتل واقع ہو گا کہ اگر کوئی ہرن اپنے مسکن میں جائے گا تو وہاں بھی کسی قرشی کے جوتے پڑے ملیں گے"۔

حبر الامہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ : "اگر سب لوگ قتل عثمان پر متفق ہو جاتے تو ان پر مثلِ قومِ لوط پتھر برستے۔"

حضرت حماد بن سلمہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ : "عثمان رضی اللہ عنہ جس دن خلیفہ بنائے گئے اس دن وہ سب سے افضل تھے اور جس روز شہید کئے گئے اس دن وہ خلافت والے دن سے زیادہ اشرف تھے۔ ان سے زیادہ افضل و اشرف روئے زمین پر کوئی نہیں تھا۔ اور مصحف کے بارے میں وہ ویسے ہی سخت تھے جیسے ابو بکرؓ قتال مُرتدین اور مانعین زکوٰۃ کے بارے میں شدید تھے۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما شہادت عثمان رضی اللہ عنہ پر اتنے دل گرفتہ اور آزردہ خاطر تھے کہ انہوں نے لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا۔ ان سے مروی ہے کہ شہادت کے دن عثمان صبح اٹھے تو کہا کہ : "میں نے آج رات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا' آپؐ نے فرمایا : "اے عثمان آج تم روزہ میرے ساتھ افطار کرو"---چنانچہ عصر کی نماز کے بعد جمعہ کے دن روزے کی حالت میں حضرت عثمان شہید ہوئے' رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ!

قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ میں سے چند ایک کا عبرتناک انجام

ابو قلابہ سے مروی ہے کہ : میں نے شام کے بازار میں ایک آدمی کی آواز سنی جو "آگ آگ" چیخ رہا تھا۔ میں قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر ٹخنوں سے کٹے ہوئے ہیں اور دونوں آنکھوں سے اندھا منہ کے بل زمین پر پڑا گھسٹ

رہا ہے اور "آگ آگ" چیخ رہا ہے۔ میں نے اس سے حال دریافت کیا تو اس نے کہا کہ "میں ان لوگوں میں سے ہوں جو عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں گھسے تھے۔ جب میں ان کے قریب گیا تو ان کی اہلیہ چیخنے لگیں' میں نے ان کے منہ پر طمانچہ مارا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا : تجھے کیا ہو گیا ہے' عورت پر ناحق ہاتھ اٹھاتا ہے۔ خدا تیرے ہاتھ پاؤں کاٹے' تیری دونوں آنکھوں کو اندھا کرے' اور تجھے آگ میں ڈالے! مجھے بہت خوف معلوم ہوا اور میں نکل بھاگا۔ اب میری یہ حالت ہے جو تم دیکھ رہے ہو' صرف آگ کی بددعا باقی رہ گئی ہے۔"

نافعؒ سے مروی ہے کہ : "ایک بلوائی نے شہادت کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عصا لے کر اس کو اپنے گھٹنے سے توڑ ڈالا تھا' اس کی پوری ٹانگ گل گئی" ـــــ یزید بن حبیب سے مروی ہے کہ : "جو لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر چڑھائی کر کے گئے تھے ان میں سے اکثر پاگل ہو کر مرے۔"

واقفِ اسرارِ نبویؐ یعنی حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ "جب بلوائی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف چلے تو لوگ ان کے پاس آئے اور کہا کہ بلوائی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف گئے ہیں' آپ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا بخدا یہ لوگ ان کو شہید کر دیں گے۔ لوگوں نے پوچھا : شہید ہونے کے بعد کیا ہو گا؟ انہوں نے کہا : خدا کی قسم عثمان رضی اللہ عنہ جنت میں جائیں گے اور ان کے قاتلین کے لئے دوزخ ہے' جس سے ان کو کسی طور چھٹکارا نہیں ملے گا۔"

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا خواب

روایات میں آتا ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما (جن کو بلوائیوں نے اس وقت زخمی کر دیا تھا جب وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو محاصرے کی حالت میں پانی پہنچانا چاہتے تھے) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں خطبہ بیان کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ اس خطبے میں انہوں نے اپنا ایک خواب بیان کیا۔ اس خواب سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم اسباب میں جو کچھ ہوتا ہے اس کی ایک تو ظاہری شکل ہوتی ہے اور ایک باطنی حقیقت ہوتی ہے ـــــ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

"لوگو! میں نے کل رات ایک عجیب و غریب خواب دیکھا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی عدالت لگی ہوئی ہے۔ پروردگارِ کائنات اپنے عرش پر متمکن ہے۔ نبی اکرم ﷺ تشریف لاتے ہیں اور عرش کا ایک پایہ پکڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آتے ہیں اور حضورؐ کے شانۂ مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آتے ہیں اور وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں ـــــ پھر اچانک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس حال میں اس عدالت میں آتے ہیں کہ ان کا کٹا ہوا سر ان کے ہاتھوں میں رکھا ہوتا ہے اور وہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں فریاد کناں ہوتے ہیں کہ اے پروردگار! اپنے ان بندوں سے جو تیرے آخری نبی جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہیں اور جو خود کو مسلمان کہتے ہیں' پوچھا تو جائے کہ مجھے کس گناہ کی پاداش میں قتل کیا گیا؟ میرا آخر کیا گناہ تھا' کون سا جرم تھا جس کے بدلے میں میرا سر کاٹا گیا؟"

اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ :

"عثمان رضی اللہ عنہ کی اس فریاد پر میں نے دیکھا کہ عرشِ الٰہی تھرایا اور آسمان سے خون کے دو پرنالے جاری کر دیئے گئے جو زمین پر خون برسانے لگے۔"

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اس بیان کے بعد لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے (جو اس خطبہ کے وقت موجود تھے) شکایتاً کہا کہ آپ نے سنا' حسن کیا بیان کر رہے ہیں؟ کیونکہ یہ خواب تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومیت پر مہرِ تصدیق ثبت کر رہا تھا' قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ اسے کیسے گوارا کرتے ـــــ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ "حسن وہی بیان کر رہے ہیں جو انہوں نے دیکھا ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ خون کے یہ دو پرنالے درحقیقت جنگِ جمل اور جنگِ صفّین کی صورت رواں ہوئے تھے۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خونِ ناحق پر اللہ کے غضب کی دو نشانیاں تھیں جس کی خبر عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پہلے دے چکے تھے کہ :"اللہ کا کوئی نبی شہید نہیں کیا گیا مگر اس کے بعد ستر ہزار لوگ قتل ہوئے اور کسی نبیؑ کا کوئی خلیفہ شہید نہیں کیا گیا

مگر اُس کے بعد پینتیس ہزار لوگ مقتول ہوئے"۔ لیکن یہاں معاملہ چوراسی ہزار کا ہے جو ان دونوں جنگوں میں خود مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ شیخ سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ نے عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کے زوال اور المناک انجام پر کہا تھا کہ ؎

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المومنیں!

یہاں مستعصم کی بجائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امیر المومنین کا نام رکھ لیجئے تو اس شعر میں آپ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خواب کی تعبیر نظر آجائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں نازل ہوں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پر۔

اقول قولی ہذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات